مجلّہ سہ ماہی

رشد وہدایت

1 نومبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء

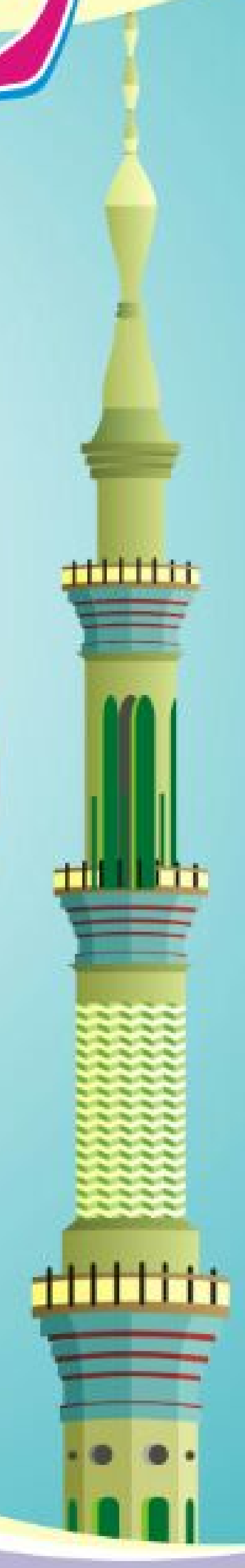
مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی





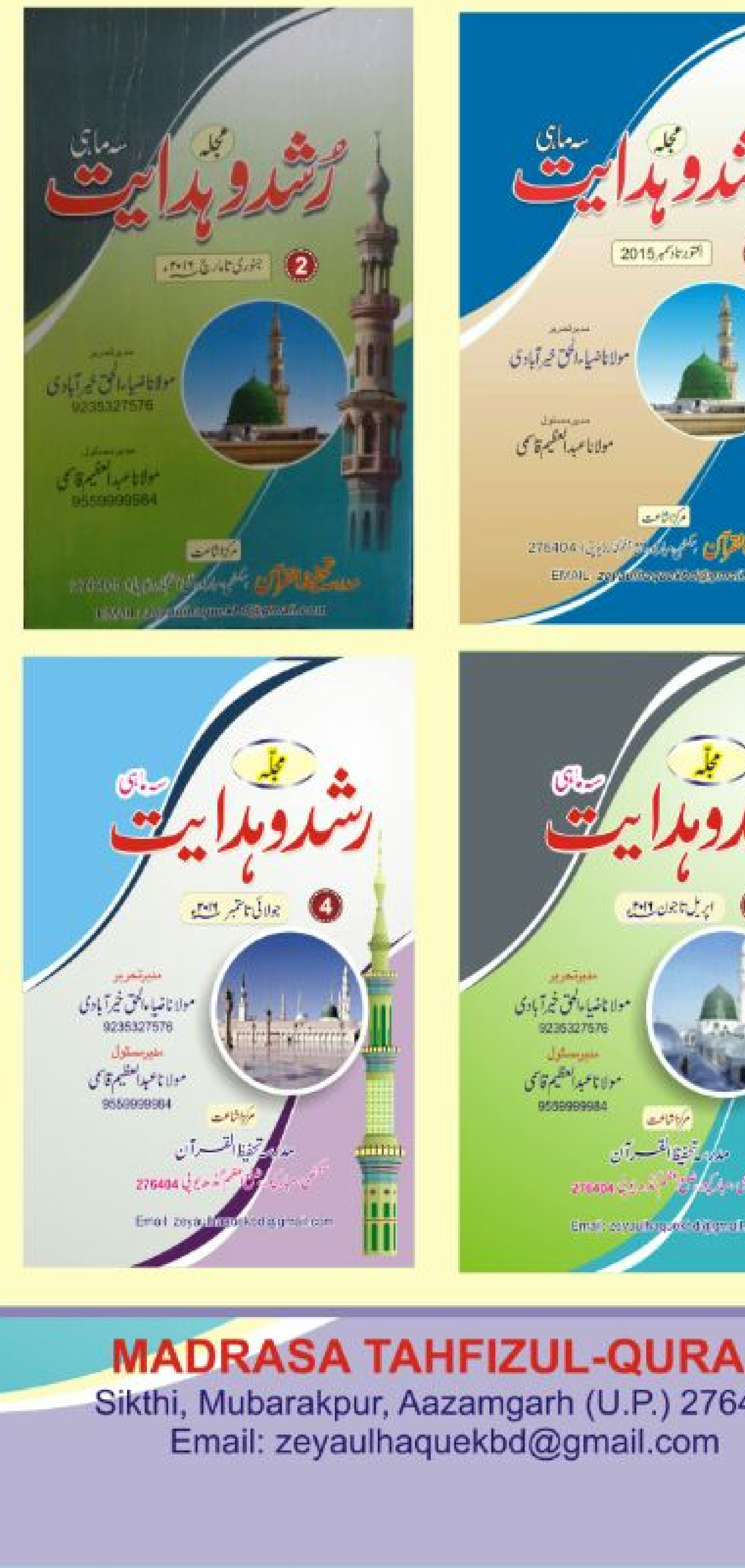
مرکز اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

۱۴۳۷ھ کے تمام شمارے



MADRASA TAHFIZUL-QURAN

Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشدوہدایت

جلد نمبر:۲ | محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء) | شمارہ نمبر:۱

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: 100/= | فی شمارہ: 25/= | خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

اپنی بات

ماہ ربیع الاول کا پیغام

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی/استاذ مدرسہ ہذا

اس بزم کائنات میں تقریباً ایک ارب ساٹھ کروڑ فرزندان توحید کا وجود اور ۵۶/خالص اسلامی ممالک کا پایا جانا، دعوت وتبلیغ کے گردش کرتے ہزاروں کارواں، قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتے عربی مدارس ومعاہد کا وسیع ترین سلسلہ،تصنیف وتالیف میں منہمک مسلم اسکالرس، اصلاح وتربیت میں مشغول علماء ومدرسین، دینی واصلاحی اور دعوتی مجلّات ورسائل کی اشاعت وتقسیم، اسلامی موضوعات پر منعقد ہونے والے جلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کا تسلسل، حمد ونعت اور منقبت کی بزم آرائیاں اور شعرائے اسلام کی نغمہ سنجیاں، علمائے کرام اور خطبائے اسلام کی سحر آفرینیاں، مؤرخین اسلام کی تاریخ نویسیاں، سیرت النبی ﷺ کی محفلیں ومجلسیں اور سیرت نگاری کی سرگرمیاں: یہ سب کس کے صدقے میں جاری ہیں؟ اور ہر سو کس کے نام کا غلغلہ ہے؟ کس کے نام کا ہمہمہ ہے؟ اور وہ کون سی قدسی صفات ذات ہے؟ نسل انسانی کا وہ کون سا گل سرسبد اور سلسلہ نبوت ورسالت کا عقد فرید ہے؟ جس کے نام کی خوشبو ہمہ دم فضائے عالم کو معطر ومعنبر کیئے رہتی ہے؟

تو سنئے وہ امی لقب، اعلیٰ نسب، رسول کامل، کتاب ہدایت کے حامل محمد عربی ﷺ کی عبقری ذات ہے، یہ تمام سرگرمیاں ''ورفعنا لک ذکرک'' کا حصہ ہیں۔

فرزندان توحید! مسلمانان عالم کو تاریخ انسانیت میں جو بھی عزت ملی، اسی نبی خاتم ﷺ سے نسبت وتعلق کے سبب ملی، مسلمانوں کو جس درجہ بھی عظمت ورفعت نصیب ہوئی، اسی رحمت عالم کی پیروی کی بدولت نصیب ہوئی، مسلمانان عالم خواہ تاریخ کے جس دور میں ہوں گے، جس ملک وخطہ میں

سکونت پذیر رہیں گے، وہ نبی امی ﷺ کے مشن رسالت اورتحریک اصلاح سے الگ ہوکر اگر زندہ رہنے،ترقی کرنے اورراحت وسکون پانے کا تصورکریں گےتوسوائے ذلت ورسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، اور جب تک نام محمد ﷺ سے جڑے رہیں گے، اس ماہ نبوت کی روشنی میں سفر حیات طے کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت ان کے بڑھتے قدموں کوروک نہیں سکتی، مسلمانان عالم کا سب کچھ پانا، یاسب کچھ کھونا،تحریک نبوت سےمنسلک رہنےاورمنسلک نہ رہنے سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے رسول کائنات کے ذکرکودوام عطا کیا ہے،''**ورفعنا لک ذکرک**'' کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانا ہے کہ انسانیت کی نجات، اولاد آدم کی عزت وشرافت اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت اسی ذکرکو بلند رکھنے،اسی رسول کے ماتحت زندہ رہنےاور ہرعمل میں اس کو اپنااسوہ وقدوہ بنانے میں ہے۔''**لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة**''کافرمان جاری کیا گیا ہے؛لہذا یہ کہنا کہ مسلمانوں کی بدحالی اور پسماندگی کا سبب عصری تعلیم سے دوری ہے، یا مسلمانوں کے انحطاط وزوال کی وجہ دشمنان اسلام کی سازشیں ہیں، یہ سب مادہ پرست، ایمان ویقین اورفکر آخرت سے عاری افراد کے چونچلے ہیں،آج مسلمانوں پر جوآفت آئی ہے،اورجن مشکلات ومسائل سے دوچار ہیں، ان کے اسباب پر اپنے ایمان وعقیدہ کی روشنی میں غورکریں اورعہود ماضیہ سے عصر حاضر کے حالات کا موازنہ کریں تو ذلت ورسوائی کا راز منکشف اورواضح ہوکر سامنے آجائے گا۔میلاد النبی کے مبارک مہینہ میں اپنے زوال وذلت کے اسباب جاننے کی خاص ضرورت ہے۔

ماہ ربیع الاول ہرسال آتا ہے،اوریہی پیغام نشرکرتا ہے کہ اسی ماہ ربیع الاول میں نبی امی محمد عربی ﷺ کی ولادت باسعادت سے تاریخ انسانیت کا نیاباب شروع ہوا تھا،اوردنیا نے اس امی لقب رسول کی انقلاب آفرینی کا جلوہ دیکھا تھا،ایساہمہ گیرانقلاب جس نے قعر مذلت میں پڑے لوگوں کواتنا اوپر اٹھادیا کہ وہ فخر انسانیت اورمعیارفضیلت بن گئے،صحرانشینوں کواتنا اونچا کیا کہ تخت حکومت پرنظر آنے لگے۔آج مسلمانوں کو ماہ ربیع الاول کے استقبال میں جلسوں،جلوسوں،محفلوں،نعتوں،ترانوں اورنعروں سے بلند ہوکر، اس محمدی انقلاب سے اپنے ربط کوبحال کرنا ہے، ورنہ یہ ماہ مبارک تواپنا پیغام سنا کرگذرجائے گا،مگرہم جہاں ہیں اس سے چارقدم اور پیچھے چلے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

جس وقت ہمارا یہ شمارہ اور یہ مضمون قارئین کے ہاتھوں میں پہونچے گا اس وقت تک حجاج کرام حج جیسے عظیم الشان اسلامی رکن کے ارکان ومناسک سے فارغ ہوکر اپنے اپنے وطن لوٹ چکے ہوں گے، اور حرمین شریفین کے روح پرور مناظر اور ایمان افروز واقعات کا والہانہ انداز میں اپنے عزیز واقارب سے تذکرہ کررہے ہوں گے۔ اللہ نے حج کے تذکرے، اپنے پاک گھر اور اپنے پیارے رسول کے مقدس دیار کے ذکر میں ایسی لذت وحلاوت اور گرمیٔ قلب کا سامان رکھ دیا ہے کہ ہر مسلمان خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا ہو حرمین شریفین کے قصے اور اس دیار پاک کی باتیں دل کے کان سے سنتا ہے اور ان لوگوں کو عقیدت ومحبت اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور خود اس پاک دیار کی حاضری کی تمنا میں اپنے شب وروز بسر کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس پاک گھر کی حاضری کو ہر صاحب ایمان کے قلب کی آرزو اور دل کی تمنا بنا دیا ہے۔ چنانچہ ہر سال مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حج وعمرہ کے لئے یہاں پہونچتی ہے۔

حج اپنے ارکان واعمال میں از اول تا آخر سراسر شوق وبے تابی اور عشق ووارفتگی کی داستان ہے۔ خود فراموشی وخود سپردگی، آہ وزاری اور بے تابی وبے قراری کے بغیر حج کا تصور ممکن نہیں، حج کا احرام باندھتے ہی دل کی دنیا میں ایک عجیب انقلاب آجاتا ہے، پورے وجود میں شوریدگی وسرمستی کی ایک کیفیت چھاجاتی ہے، ایک حاجی بالکل ایک عاشق صادق ومحب مخلص کی طرح ہوتا ہے جو اپنے محبوب رب کی یاد میں اس قدر غرق ہوتا ہے کہ اسے گردوپیش اور خود اپنی ذات کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ وہ اپنے محبوب کی یاد دل میں بسائے اس کے پاک گھر کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، اس کا ظاہر بدل جاتا ہے، جس کا اثر اس کے باطن پر پڑنا لازمی ہے، اس کی زبان پر اب صرف اس کے محبوب کا ذکر ہوتا ہے، اب وہ ہر آواز سے یکسو ہوکر صرف **لبیک اللھم لبیک** کی صدا بلند کرتا ہے، اور ہر اس مقام

کی طرف جاتا ہے جہاں اس کے محبوب کا حکم ہوتا ہے، اور بہت ساری خواہشات سے رک کر صرف وہی کام کرتا ہے جس کا حکم اس کے محبوب نے دیا ہے، احرام کے بعد عقل وخرد کی حکمرانی ختم ہوجاتی ہے، اب وہ دل کی آواز کو سنتا ہے اور محبت کی آنکھ سے دیکھتا ہے، کبھی وہ صحن کعبہ میں چکر لگاتا ہے تو کبھی حجر اسود کا بوسہ دیتا ہے اور ملتزم سے چمٹا نظر آتا ہے، کبھی دو پہاڑیوں صفاومروہ کے درمیان دوڑتا اور اپنے رب سے مناجات ودعا میں مشغول نظر آتا ہے، کبھی عرفات کے بے آب وگیاہ میدان میں ہوتا ہے، کبھی جمرات پر رمی کرتا ہے، تو کبھی منیٰ میں جانوروں کو اپنے رب کے حضور قربان کرتا ہے، ان سب افعال کی کوئی عقلی توجیہ نہیں کی جاسکتی ہے، بس محبوب کا حکم ہے اور محبین اس کو انجام دئے جارہے ہیں۔ اس لئے کہ اسی میں اس کی خوشنودی ورضامندی ہے، اور ایک محب صادق کو تو صرف اپنے محبوب کی خوشی اور رضامندی ہی مطلوب ہوتی ہے، اس کی اولیں ترجیح محبوب کے اشارہ پر بے چون وچرا عمل کرنا ہے، اور یہی تقاضائے محبت ہے، یہی اطاعت کی روح ہے۔ حقیقت میں ایک حاجی جو محض اللہ کے لئے اس کے پاک گھر کا قصد کرتا ہے وہ سراپا اطاعت وفرمانبرداری اور سنت ابراہیمی وسنت نبوی کا التزام کرنے والا ہوتا ہے۔

ہمارے اکابر واسلاف نے زیارت حرمین کے سلسلے میں دنیاوی مشاغل سے دور رہ کر کس قدر اہتمام سے حج کے مبارک ایام گزارے ہیں، اس سفر سعادت میں ان کی کیا کیفیت رہتی تھی، اس کے لئے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی علیہ الرحمہ کی کتاب ''اعیان الحجاج'' کا مطالعہ کرنا چاہئے، جس میں انھوں نے انبیاء کرام، سید الانبیاء ﷺ، ان کے جاں نثار صحابہؓ، محدثین عظام اور صالحین امت کے حج بیت اللہ کی روح پرور داستان اور ان نفوس قدسیہ کے والہانہ انداز کا ذکر فرمایا ہے، جس سے حج کی اہمیت، جوار بیت اللہ میں رہنے کا طریقہ اور آداب، دیار حبیب کی عظمت اور اس کے احترام وآداب کا پتہ چلتا ہے، اس سلسلہ کو حضرت محدث کبیر نے زمانہ حال کے بزرگوں تک وسیع کیا ہے، اور ان کے سفر شوق کا حال لکھا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف زمانہ بعید ہی میں نہیں تھا بلکہ یہ اب بھی جاری وساری ہے، گوکہ اس میں بڑی کمی ہوچکی ہے، اب بھی کچھ اللہ والے باقی ہیں جن کے دم قدم سے یہ رونقیں اب بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ گزشتہ سال سفر مدینہ میں ایک دوست نے بتایا یہ بزرگ مولانا اسماعیل بدات صاحب ہیں، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ ہیں، ان کا معمول ہے کہ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحبؒ

نے اپنے سفر نامہ حج میں اس طرح کے کئی بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔

احادیث میں حج کی جو تاثیر بیان کی گئی ہے کہ:

من قضیٰ نسکہ و سلم المسلمون من لسانہ و یدہ غفر لہ ماتقدم من ذنبہ۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید) جس نے ارکان حج ادا کئے، اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں۔

اس شان کا حج، حج مبرور کہلاتا ہے، یا یہ حدیث نبوی کہ:

من حج فلم یرفث و لم یفسق رجع من ذنوبہ کیومٍ ولدتہ امہ (بخاری ومسلم)

جس نے حج کیا، اور رفث اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا، وہ اس طرح گناہوں سے پاک صاف ہو کر لوٹا، جیسے اس دن تھا، جس دن وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔

ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا: **الحج المبرور لیس لہ جزاء إلا الجنۃ، رواہ الطبرانی**

حج مبرور کا تو بدلہ جنت سے کم نہیں ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۲)

حج مبرور کہلانے کا مستحق وہی حج ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یہی وجہ ہے اب سے کچھ پہلے تک حاجیوں کا حال یہ ہوتا تھا کہ ان کی حج سے پہلے اور بعد کی زندگی میں نمایاں فرق ہوتا تھا، ہم نے خود دیکھا ہے کہ حج کے بعد ایسا انقلاب آیا کہ شکل وصورت ہی بدل گئی، چہرے پر شرعی داڑھی کا نور، سر پر ٹوپی، ہاتھ میں تسبیح، نماز کی پابندی، تلاوت کا اہتمام، اور حتی الامکان تہجد ونوافل کا بھی التزام! یہ حج مبرور کے اثرات وبرکات کا اثر ہوتا تھا، کہ زندگی کی کایا پلٹ جاتی تھی۔

دورِ حاضر کا حج اور حجاج کرام: حج وعمرہ ایک ایسی عبادت ہے جس کو ادا کرنے کے لئے انسان ہزاروں کا میل کا سفر کر کے ایسے دربار میں حاضر ہوتا ہے جہاں کی حاضری ایک مسلمان کے دل کی سب سے بڑی آرزو وتمنا ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آج سے کچھ عرصہ قبل تک جب حاجی حج کے لئے نکلتا تھا تو اپنے سارے کام اور سارے علائق کو چھوڑ دیتا تھا، اور یہ سفر محض عبادت کا، محض نیکی کا، محض اللہ کی رضا کیلئے ہوتا تھا، جس میں کسی طرح کی کوئی اور آمیزش نہیں ہوتی تھی۔ پھر حالات بدلے، دولت کی افراط اور پیسوں کی بہتات کی نتیجے میں حجاج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا، لیکن اسی کے ساتھ اخلاص وللہیت میں نمایاں کمی اور جذبۂ نمود ونمائش میں روز افزوں اضافہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اب تو حج سے پہلے شادی بیاہ کی رسموں کی طرح حج کی رسموں کا ایک طویل

سلسلہ ہوتا ہے، مختلف طرح کے پروگرام ہوتے ہیں، حج کی دعوت کے کارڈ چھپتے ہیں، کپڑوں اور جوڑوں کا لین دین اب حج کی رسومات میں شامل ہو چکا ہے، جس روز حج کے لئے نکلنا ہوتا ہے نہ پوچھئے کیا سماں ہوتا ہے، جیسے کوئی بارات جارہی ہو، حاجی صاحب پھولوں کا ہار پہنے قافلہ کے ساتھ چل رہے ہیں، نظم خوانی ہورہی ہے، ویڈیوگرافی ہورہی ہے، حاجی صاحب مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر مبارکباد قبول کررہے ہیں، یہ سب فرضی وافسانوی واقعات نہیں ہیں بلکہ آنکھوں دیکھے حقائق ہیں۔

یہ تو یہاں کے احوال ہیں، مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد جو حالت مشاہدے میں آتی ہے انتہائی ناگفتہ بہ ہے، اس مقدس سرزمین کا ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے، وہاں کی ایک نماز اور جگہ کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور طواف تو ایسی عبادت ہے جو دنیا میں کہیں اور میسر آ ہی نہیں سکتی، چنانچہ قدردانوں کو دیکھا گیا کہ ہمہ وقت نماز وتلاوت، طواف وذکر اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اور گزشتہ اعمال پر ندامت کے آنسو آنکھوں سے رواں رہتے ہیں، لیکن اسی جگہ حجاج کی ایک بڑی تعداد گھومنے پھرنے اور خرید وفروخت میں مشغول نظر آتی ہے، جس کے نتیجے میں حرم کی نماز تک فوت ہوجاتی ہے، اور آج کل جدید ترقیات نے ایک ایسی چیز سے دنیا کو روشناس کرایا ہے، جس نے سب کے دل ودماغ کو اپنے سحر میں گرفتار کررکھا ہے، وہ ہے سوشل میڈیا! جیسے فیس بک، وہاٹس اپ اور ٹوئٹر وغیرہ کا استعمال، جن لوگوں کو اس کی لت پڑ جاتی ہے وہ منشیات کی لت سے بھی زیادہ مضر ہوتی ہے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے دھیان اسی کی طرف ہوتا ہے، آنکھ کھلتے ہی پہلا کام یہ ہوتا ہے موبائل اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ کوئی میسیج تو نہیں ہے۔ حج جیسا سفر جو خالص اللہ کیلئے ہوتا ہے، جہاں انسان ہر طرف سے یکسو ہوکر دور دراز کا سفر طے کرکے پہونچتا ہے، وہاں بھی یہ چیز اس پر چھائی رہتی ہے، دراصل ریاونمود کے جذبۂ فراواں نے انسان کو اس حد تک پہونچادیا ہے کہ جب تک وہ نیک اعمال کی تشہیر نہ کرلے، دوسروں کو نہ بتالے تب تک اس جذبے کی تسکین نہیں ہوتی، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حرمین شریفین میں اس کثرت سے لوگ موبائل سے تصویریں لیتے ہیں اور ویڈیو بناتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ کیا اسی کام کے لئے لوگ آئے ہیں، میرا تو دل کانپ جاتا تھا جب دیکھتا تھا کہ لوگ عین بیت اللہ کے سامنے حطیم کی دیوار سے ٹیک لگا کر ویڈیو بنارہے ہیں، اور اسے شیئر کررہے ہیں، بیت اللہ کے سامنے تصویر کھنچوا کر اسے اپنی پروفائل کی جگہ لگارہے ہیں، اور یہ رواج دن بدن بڑھتا جارہا ہے، لوگ حج وعمرہ کے ایک ایک منظر کو موبائل میں قید کرکے اسے فیس بک اور وہاٹس اپ پر بھیجتے رہتے ہیں، گویا صرف اللہ کو دکھانا کافی نہیں ہے، افسوس

کہ اس معاملے میں عوام کے شانہ بشانہ پڑھا لکھا دیندار طبقہ بھی ہے۔ اس طرح کے مناظر بھی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، کہ لوگ تصویر بنوانے کیلئے کعبہ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر کھڑے رہتے ہیں تا کہ تصویر میں کعبہ آجائے اور ایک مستند دلیل ہاتھ آجائے کہ ہم نے کعبہ کے سامنے دعا مانگی ہے، نماز پڑھی ہے وغیرہ۔ ایک منظر کو دیکھ کر دل پر بہت اثر ہوا، اور اب بھی جب سوچتا ہوں تو دل متاثر ہوجاتا ہے، ایک روز مسجد نبوی میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے مواجہ شریف کی طرف چلا، بھیڑ کافی تھی، جب عین مواجہ شریف کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ کئی لوگ نہایت انہماک کے ساتھ ویڈیوگرافی میں مشغول ہیں، یعنی عین اس ذات شریف (رسول اللہ ﷺ) کے سامنے، جس کی نہایت واضح تعلیمات اس کی حرمت کے متعلق بکثرت حدیث پاک کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اب اس کی اتنی کثرت ہوتی جارہی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اس کی قباحت بھی دلوں سے نکل جائے گی۔

ان سب چیزوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ حج وعمرہ کا نہیں محض ایک تفریحی سفر ہے، ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں شاید یہ وہی دور ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن عباسؓ نے کہا تھا کہ: بادشاہوں کا حج تفریح کے لئے ہوگا، مالداروں کا تجارت کے لئے، فقراء کا بھیک مانگنے کے لئے اور علماء وقراء کا ریا اور دکھاوے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ریا ونمود سے بچائے اور احکام شرع کے مطابق اخلاص وللہیت کے ساتھ اسلام کے اس اہم رکن کو ادا کرنے کی توفیق بخشے، اور ہمارا حج ایسا ہو کہ جس کا بدلہ جنت ہی ہو۔ آمین

☆☆☆☆☆

مودی سرکار کو اپنی ڈھائی سالہ مدت میں جس طرح ہر محاذ پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے ، اسے چھپانے اور عوام کی توجہ ان مسائل سے ہٹانے اور آئندہ صوبائی الیکشن میں فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کا جتن اور کوشش کررہی ہے۔ اس وقت مسلم پرسنل لا میں حکومت کی مداخلت اور طلاق ثلاثہ اور یکساں سول کوڈ (یعنی سب کے لئے ایک جیسا قانون) کا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس نے ہندوستان کی سیاست میں ایک بھونچال پیدا کردیا ہے۔

جب تک ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی اس وقت تک یہاں کا قانون اسلامی شریعت کے مطابق تھا، جب ملک پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو انھوں نے ۱۸۶۲ء میں اپنا قانون نافذ کیا تو مسلمانوں کو اپنے عائلی مسائل (یعنی نکاح وطلاق اور خلع وغیرہ) کو اسلامی طریقہ پر حل کرنا

مشکل ہوگیا، انھوں نے حکومت وقت سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے عائلی مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے کی آزادی دی جائے، تو انگریزی حکومت نے اس درخواست منظور شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں پاس کیا، اور اسے ہندوستانی قانون میں شامل کردیا گیا، اب مسلمانوں کے اس طرح کے مسائل میں عدالتیں قانون شریعت کے ماہرین سے رجوع کرکے ہی کوئی فیصلہ کرسکتی تھیں۔ جب ملک آزاد ہوا تو شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کو بعینہٖ دستور ہند کا حصہ بنادیا گیا، یہی مسلم پرسنل لا ہے جو آج بھی ہندوستان عدالتی نظام میں رائج ہے، لیکن ہندوستان کے فرقہ پرستوں کو اتنی سی بات بھی کھل رہی ہے، اور وقتاً فوقتاً اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے، اور اب جب مرکز ان کی حکومت قائم ہوگئی تو خود حکومت اس کے خلاف سپریم کورٹ میں فریق بن کر پہونچ گئی، اور گزشتہ ڈھائی سال میں مسلمانوں کے ذاتی مسائل اور شریعت میں مداخلت کرنا اس حکومت کا پسندیدہ موضوع بن چکا ہے، جس کا مقصد صرف سیاسی فوائد کا حاصل کرنا اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا اور طول دینا ہے۔

حکومت وقت نے چند دین بیزار مسلم خواتین کی طرف سے طلاق ثلاثہ کی مخالفت کو سترہ کروڑ مسلمانوں کے خلاف ایک بہانہ بنالیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے ۹۹ر فیصد مسلمان مرد و عورت کسی بھی صورت میں اسلامی شریعت کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر اپنے دین وایمان کا سودا نہیں کرسکتے۔ اور طلاق ثلاثہ کا مسئلہ خالص مسلمانوں کا مسئلہ ہے جس کو وہ خود حل کرلیں گے اور حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آئین ہند میں دی گئی آزادی اور تحفظ کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔ اور وہ مسلمان کتنے بدبخت ہیں جن کی وجہ سے جن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا، جو معمولی دنیاوی مفاد کے لئے طلاق ثلاثہ کا مسئلہ کورٹ میں لے کر گئے اور کروڑوں مسلمان اور خود اسلام کے لئے ایک زبردست خطرہ بن گئے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد راستہ اسلام ہے، دنیا وآخرت کی کامیابی اللہ ورسول کی اتباع اور احکام شریعت کی پیروی میں ہے، لہٰذا اپنے وجود اور ایمان کی بقا کے لئے بس ایک ہی صورت ہے کہ ہم خود پورے طور پر اسلامی قانون پر عامل ہوں، خواہ وہ نکاح وطلاق اور خلع کے متعلق ہو یا انسانی زندگی کے کسی بھی مرحلے سے اس کا تعلق ہو، اور موجودہ صورتحال میں ظاہری تدبیر کے طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کی آواز پر لبیک کہیں اور دستخطی مہم میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ شریک ہوں، تاکہ حکومت کا پلان فیل ہوجائے اور وہ یہ جان لے کہ قانون شریعت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے۔ آمین

ہدایت القرآن

تقویٰ تمام کامیابیوں کی کنجی

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجاً وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ، وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ، اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْراً

اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا، اسے روزی دیتا ہے، اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے پس وہ اس کیلئے کافی ہے، یقیناً اللہ اپنا ہر کام پورا کر لیتا ہے، اللہ نے ہر شے کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔

یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، کسی انشاء پرداز کی عبارت آرائی نہیں، کسی انسانی دماغ سے نکلا ہوا مقولہ نہیں، زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے، تمام اشیاء کو نیست سے ہست کرنے والے، جملہ اسباب ووسائل کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے والے کا ارشاد ہے، جو قرآن پاک کی سورۂ طلاق کے رکوع ۲ میں وارد ہوا ہے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ بھی دنیوی کامیابی کیلئے تقویٰ کی اس اہمیت کے قائل ہیں؟ آپ بھی توکل کو ایسی ہی اہم اور ضروری چیز خیال کرتے ہیں، یا اس کے برعکس ایک ضعیف الاعتقادی وخام خیالی؟

آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے، کسی تفسیر وتحشیہ کی حاجت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، جو خوفِ خدا، خشیت الٰہی، امانت، صداقت، دیانت کو اپنی روشِ زندگی بنالیتا ہے، اس کیلئے اسی مادی دنیا میں کامیابی اور کشائش کی نئی نئی راہیں اللہ پیدا کرتا رہتا ہے، اور سامانِ معاش ومعیشت اسے اُن اُن ذرائع سے بہم پہونچاتا رہتا ہے، جن کا اسے قبل سے کچھ وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی اللہ پر توکل واعتماد رکھتا ہے، وہ اپنی مراد کو پہونچ کر رہتا ہے، اس لئے کہ اسی کی ذاتِ پاک تو تمام اسباب پیدا کرنے والی اور ان پر قدرت رکھنے والی ہے، اور وہی تو ہر ضرورت اور اس کے سامان کا اندازہ داں اور اس کی بہم رسانی پر تنہا، بغیر کسی کی شرکت وامداد کے قادر ہے۔ پس اپنے ذہن کو درمیانی واسطوں اور وسیلوں میں کیوں اتنا الجھائے ہوئے رہتے ہو۔ براہ راست اسی

مسبب الاسباب، اسی قادر مطلق سے کیوں نہیں تعلق پیدا کر لیتے۔ اسباب کا جال بھی اسی حکیم مطلق کا پھیلایا ہوا ہے، اس لئے ان سے کام لینے کو منع نہیں فرمایا، ان سے واسطہ رکھنے کو حرام نہیں قرار دیا، لیکن ان پر تکیہ کرنے، ان پر اعتماد کرنے، ان سے دل اٹکانے کو یقینا جہالت و نادانی بتایا ہے، اور اس اعتماد و توکل اس بھروسے اور سہارے کے لائق صرف اپنی ہی ذات کو قرار دیا ہے۔ یہ اللہ کا فرمان تھا، اور اسی کی بنا پر رسول ﷺ کا یہ عمل تھا، کہ عین اس شب کو جب کہ مکہ کی ساری آبادی خون کی پیاسی ہو رہی تھی، اور قتل کرنے والے سازشی اور خونی، موقع کے منتظر مکان کا چکر کاٹ رہے تھے، اپنے محبوب اور عزیز ترین بھائی علی مرتضیٰؓ کو اپنے بستر خواب پر لٹا کر، اور قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہوئے کہ ''ہم نے ان کافروں کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں، اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہیں دیکھتے'' (وَ جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) مکان سے باہر تشریف لے آئے اور خونیوں میں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا!

یہ اللہ کا ارشاد اور رسول کا عمل تھا، اب اپنے دل سے دریافت ہو، کہ آپ کا خیال اور آپ کا عقیدہ، آپ کی عادت اور آپ کا عمل اس باب میں کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ آیا ہے، کہ آپ کو جب کبھی کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہوئی تو اسے ہمیشہ آپ نے اپنی ہی کوشش و پیروی، اپنے اثر اور جوڑ توڑ، اپنی تدبیر و دانائی کا نتیجہ قرار دیا۔ مقدمہ میں جب آپ کو فتح ہوئی اس کا سہرا ہمیشہ آپ کی دوڑ دھوپ اور آپ کے وکیل صاحب ہی کی ذہانت و قابلیت کے سر بندھا۔ ملازمت اگر آپ کو آپ کی مرضی کے موافق مل گئی، تو اس پر آپ نے ہمیشہ اپنی ہی حکام رَسی، اپنے ہی اعلیٰ اسناد، اور اپنے ہی اثر و رسوخ کو قابل مبارکباد سمجھا۔ جب بیماری سے آپ کو شفا ہوئی تو ہمیشہ آپ نے اپنے معالج ہی کی حذاقت و مسیحائی کا کلمہ پڑھا۔ غرض زندگی ہر ہر شعبہ میں آپ نے جب جب توکل و اعتماد کیا، تو ہمیشہ داروغہ صاحب اور ڈپٹی صاحب، کلکٹر صاحب اور جج صاحب، ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب، وکیل صاحب اور بیرسٹر صاحب، راجہ صاحب اور نواب صاحب، وزیر صاحب اور لاٹ صاحب ہی پر کیا اور ان سے بڑھ کر خود اپنے دل و دماغ، اپنی عقل و تدبیر پر کیا، پر ان تمام صاحبوں کے صاحب کا جلوہ بھی کبھی آپ نے اپنے دل کی گہرائیوں میں دیکھا؟ ان تمام جھوٹے خداؤں کے سچے خدا کے فضل و کرم سے کبھی آپ نے اپنے دل کو اَٹکایا؟ تماشہ گاہِ شہود کی ان ساری کٹھ پتلیوں کے پیچھے جو پُرقوت غیبی ہاتھ ہے، کبھی اس کے چومنے اور آنکھوں میں لگانے کی گدگدی بھی آپ کے دل میں پیدا ہوئی؟

ہدایت الکتاب والسنة

غیبت

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

غیبت کہتے ہیں اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر ایسے حال اور اوصاف کے ساتھ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔

غیبت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات:

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوْا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَحِیْمٌ (الحجرات:۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں، اور ٹوہ، مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔

(۲) وَمَنْ یَکْسِبْ خَطِیْئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَاِثْمًا مُبِیْنًا (النساء:۱۱۲)　اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ، پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگادے، سو اس نے بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا۔

(۳) لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْئِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا (النساء:۱۴۸)　اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔

(۴) وَیْلٌ لِکُلِّ ھُمَزَةٍ لُمَزَةٍ (الھمزة:۱)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو۔

احادیث رسول ﷺ:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کا ذکر ایسے الفاظ سے کرنا جو اسے ناگوار گزرے۔ عرض کیا گیا اگر چہ وہ چیزیں اس کے اندر موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ چیزیں اس کے اندر موجود ہوں تب ہی تو وہ غیبت ہے، اگر موجود نہ ہوں تو وہ بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں یوم النحر کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوب سن لو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ٹھیک اسی طرح محترم ہے، جیسا تمہارا یہ دن، تمہارے اس مبارک مہینے میں، تمہارے اس مقدس شہر میں لائق حرمت ہے، سن لو! کیا میں نے خدا کا پیغام پہونچا دیا؟ (بخاری ومسلم)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، (اس اُخوت کا تقاضا یہ ہے کہ) وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے، نہ اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کو رسوا کرے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے لائق احترام ہے، یعنی اس کی آبرو، اس کا مال اور اس کا خون، اور (دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تقویٰ یہاں ہے۔ آدمی کے برا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی شریف)

(۴) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر **رضی اللہ عنہما** سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت، زنا سے زیادہ سنگین ہے، بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! غیبت زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص نہ معاف کردے، جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔ (شعب الایمان للبیہقی بحوالہ معارف الحدیث)

(۵) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں اُترا نہیں ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور ان کے چھپے ہوئے عیوب کے پیچھے نہ پڑا کرو، کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا

معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔ (ابوداؤد شریف)

اقوالِ سلف:

(۱) حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: کہ جب خراب دور آجائے تو لوگوں سے اس طرح احتیاط کرو جیسے بدگمانی میں احتیاط کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کا عذر تسلیم نہ کرے اگر چہ وہ حق ہو، اور نہ اس کی مدد کرے اگر چہ وہ اپنی غیبت کے ذریعہ سچائی کا ارادہ کرتا ہے، اس لئے کہ یہ بے ادبی، جذبۂ حفاظت کی کمی اور شرافت سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اس لئے غیبت کرنے والا اگر چہ سچا ہو مگر اس نے اس برائی کو ظاہر کر دیا جو پوشیدہ تھی، اس پردے کو ہٹا دیا جو پڑا ہوا تھا، اور پوشیدہ راز کو کھول دیا، اور ایک حرام چیزی کو حلال سمجھا ،تو اس نے قول وقرار اور عہد کی رعایت نہیں کی اور نہ حرمت کی حفاظت کی۔

(۲) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کچھ لوگوں کی ضیافت کی، جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک شخص ی شکایت کرنے لگے، ابراہیم نے فرمایا: ہم سے قبل لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے اور آپ لوگ روٹی سے پہلے گوشت کھانے لگے۔ (غیبت کرنا، مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے)

(۳) ایک حکیم نے کہا: غیبت علماء کا تفکہ ہے، فاسقوں کی ضیافت ہے، عورتوں کی چراگاہ ہے، کمینوں کا سالن ہے، اور متقیوں کی سنڈاس ہے۔

(۴) حضرت ابن سیرینؒ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، آپ مجھے معاف کر دیں، تو انھوں نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا میں اس کو معاف کرنیوالا کون ہوتا ہوں۔

(۵) ایک حکیم سے پوچھا گیا، سچے آدمی کی مذمت کب کی جاتی ہے؟ کہا کہ جب وہ سچائی غیبت ہو۔

(۶) غیبت کی بنیادی وجوہات دس ہیں۔ (۱) غصہ میں دل کی بھراس نکالنا۔ (۲) کسی قوم کی مدد کرنا (یعنی دوسروں کی شکایت کر کے) (۳) تہمت۔ (۴) بغیر تحقیق کے کسی خبر کی تصدیق کرنا۔ (۵) بدگمانی۔ (۶) حسد۔ (۷) استہزاء وتمسخر۔ (۸) تعجب۔ (۹) عاجز ہونا۔ (۱۰) تزین وآرائش۔ لہٰذا اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو صرف خالق کا ذکر کرو اور مخلوق س صرفِ نظر کرو، تو یہ چیز تمہارے لئے غیبت کی جگہ عزت بن جائے گی، اور گناہ کی جگہ درستگی!

(۷) اگر کسی کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہے مگر اس نے روکا نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں جگہ رُسوا کرے گا۔

نمونۂ غیبت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہر دوخوشحال شخص کے ساتھ اپنے اصحاب میں سے ایک معمولی حیثیت والے کو کر دیتے تھے، تاکہ ان کے ساتھ ان کے کھانے میں شریک رہے، اور ان سے پہلے منزل پر پہونچ جائے اور جو کچھ ضرورت ہو اس کا انتظام کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے ساتھ لگا دیا، ایک دن دونوں ایک جگہ اترے، سلمان فارسیؓ نے ان کے لئے منزل پر کچھ اہتمام وانتظام نہیں کیا، تو ان دونوں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور ہمارے لئے بچا ہوا سالن مانگ لاؤ، حضرت سلمان چل پڑے، جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ایک نے اپنے ساتھی سے ان کی شکایت کی، کہ یہ شخص (اتنا بے برکت ہے کہ) اگر کنویں کے پاس چلا جائے تو اس کا پانی کم ہو جائے۔

حضرت سلمانؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور ان کا پیغام سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں سے کہو کہ تم نے تو سالن کھالیا، حضرت سلمانؓ نے ان کے پاس جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات نقل کی، تو وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم نے کوئی سالن نہیں چکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں تو تم دونوں کے منہ میں گوشت کی سرخی دیکھ رہا ہوں، تو دونوں نے پھر کہا کہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اور ہم نے آج گوشت نہیں کھایا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے اپنے بھائی کی غیبت کی ہے۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ مردار کا گوشت کھاؤ؟ دونوں نے کہا ہرگز نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کہا کہ جب تم مردار کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے ہو تو غیبت مت کرو، اسلئے کہ جس نے اپنے بھائی کی غیبت کی اس نے اس کا گوشت کھایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ و لا یغتب بعضکم بعضاً یعنی ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔

''گوشت خوری'' کی یہ وبا ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکی ہے کہ عوام وخواص سب اس کے اندر مبتلا ہیں، اور اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس کی قباحت اور اس کے گناہ ہونے کا تصور ہی دلوں سے نکل چکا ہے، مذکورہ آیات واحادیث اور اقوال سلف کی وعیدات کی روشنی میں اس کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، باری تعالیٰ ہمیں اور پورے معاشرہ کی اس بلا سے حفاظت فرمائے۔ آمین

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں سیّدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ایک حدیث قدسی نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن اللہ تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میری جانب سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

یہ حدیث اور اس کی تعلیم تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور اہل اسلام کے لئے بالخصوص بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور رہائی کی سینکڑوں تدبیریں کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کراتا ہے، مگر مصیبت برقرار رہتی ہے، اسے خبر نہیں ہوتی ہے، کہ یہ بلا اس کے سر پر کیوں مسلط ہوئی ہے، مصائب بتا کر نہیں آتے کہ ان کا تسلط فلاں معصیت اور فلاں جرم کی بنا پر ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے کسی ولی کی عداوت ہوتی ہے، اس کی غیبت اور آبرو ریزی کرتا ہے، اسے ستاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ خدا کے اعلانِ جنگ کے خطرہ میں گرفتار ہوتا ہے، اور جس کی لڑائی خدا سے ہو، اس کو کون سی تدبیر بچا سکتی ہے۔ **أعاذنا اللہ منه**

اگر کوئی فرد کسی ایک ولی سے عداوت میں مبتلا ہوتا ہے، تو خدا کا قہر اس ایک فرد کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی گروہ کسی ایک یا چند اولیاء اللہ سے بغض رکھتا ہے، تو وہ پوری جماعت، پورا معاشرہ اور پورا گروہ اس قہر وحرب کی زَد میں آجاتا ہے۔ مولانا روم نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ہیچ قومے را خدا رُسوانہ کرد تا دلِ صاحبدلے نالد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں کرتے، جب تک کسی صاحب دل کا دل اس سے نہیں دکھتا۔

تاریخ کے اَوراق اور انسانی تجربات اس حدیث کی صداقت کی گواہی سے لبریز ہیں، جب اور جہاں کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا گیا ہے،قہر خداوندی کے شرارے وہاں برسے ہیں، جب تک یہ نہیں ہوتا قومیں کفر وشرک کے باوجود ایک مدت تک باقی رہتی ہیں، جو قومیں انبیاء کرام سے ٹکرائیں ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن کریم میں ان کے احوال پڑھ لیجئے، انبیاء کرام یقینی طور اللہ کے ولی ہیں، انبیاء کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت گو اس درجہ کی یقینی نہ ہو،لیکن انبیاء کرام کے بتائے ہوئے علامات سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے۔

انسان ہلاکتوں سے بچنے کی حتی الامکان احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے، اپنے جانی اور مالی نقصان سے ہر شخص ڈرتا ہے،کون چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح کا ضرر لاحق ہو، پھر جہاں اور تدبیریں کی جاتی ہیں، امراض اور وباؤں کے لئے پیشگی ٹیکے لگواتے ہیں، وہیں اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا کہ اللہ کے ولیوں کی عداوت اوران کی ایذا رسانی سے خود کو لوگ بچائیں، عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنی شخصیت کو مٹا کر، اللہ ورسول کی تعلیمات پر خود کو قربان کر کے ''**حیاۃ طیبہ**'' حاصل کرتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور دوسرے افراد اس کا مذاق اُڑا کر، اس کی تذلیل کر کے، اس سے عداوت کر کے اللہ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں، عجیب عجیب لاینحل مصیبتوں، ذلتوں اور بلاؤں میں ڈوبے جاتے ہیں، ایک کو دیکھ کر دوسرے کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، مگر جیسے بھیڑوں کا ریوڑ ہو کہ ایک کنوئیں میں گرتی ہے،تو دوسرے کا قدم رکتا نہیں، وہ اسی میں جا پڑتی ہیں۔

ہاں سوال ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟ تو شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسئلہ کو ناصاف نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کے حدود وعلامات مقرر فرمادیئے ہیں، آدمی ذرا تامل کرے تو بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں ولی کی تعریف یہ ہے کی ہے: **المراد بولی الله العالم باالله المواظب علی طاعته المخلص فی عبادته**۔ اللہ کا ولی وہ ہے، جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کی عبادت میں مخلص ہو۔ یہ اللہ کے ولی کی تعریف بھی ہے، اور اس کے علامات کا بیان بھی ہے، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، وہ ہر حال میں اللہ سے راضی ہوگا، اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے گا، اسے دیکھ کر، اس کی

صحبت میں بیٹھ کر اللہ یاد آئے گا ، اللہ کی اطاعت کا ظاہراً بھی پابند ہوگا اور باطناً بھی ، اور یہی اس کا حال اور مزاج ہوگا ، اس کا دلی جذبہ اور رُجحان اللہ کی اطاعت ہی کا ہوگا اور پھر اس کی عبادت کا منشاء کوئی غرضِ دنیاوی یا لذتِ نفسانی نہ ہوگا ، بلکہ محض اللہ کے لئے وہ عبادت کرتا ہوگا ، جس کے یہ احوال ہوں ، ظن غالب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہوگا ، اس کی عداوت ضرور مہلک ہوگی ۔ یہ تعریف تو حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ذکر کی ہے ، لیکن آیئے ، حدیث کے باقی الفاظ کا بھی مطالعہ کرلیں ، کہ زبان رسالتمآب ﷺ کے واسطے سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی کیا شان بتائی ہے ۔ فرماتے ہیں: **وما تقرب إلي عبدي بشيءٍ أحب إلي مما افترضته عليه وما زال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتیٰ أحببته فكنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه ولئن استعاذني لأعيذنه** ۔ اور بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ، ان میں میرے نزدیک محبوب ترین اعمال وہ فرائض ہیں جنھیں میں نے اس پر فرض کیا ہے ۔ اور بندہ نوافل کے واسطے سے برابر درجاتِ قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے ، یہاں تک کہ (ایک وقت وہ آتا ہے کہ) میں اس کا کان بن جاتا ہوں ، جس سے وہ سنتا ہے ، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں ، جس سے وہ دیکھتا ہے ، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں ، جس سے وہ پکڑتا ہے ، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں ، جس سے وہ چلتا ہے ، اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور دوں گا ، اور اگر کسی چیز سے میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا ۔

خیال کیجئے ! فرائض ونوافل کی پابندی کرنے والا کہاں تک پہونچتا ہے ، وہ اللہ کی محبوبیت کے کس مقام پر فائز ہوتا ہے ، کہ سننا ، دیکھنا ، پکڑنا ، چلنا بظاہر اس کے کان ، آنکھ ، ہاتھ اور پاؤں سے ہورہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُن سب کی نسبت اپنی طرف فرمارہے ہیں ، ظاہر ہے کہ جہاں شرف ومحبوبیت کی یہ کیفیت ہو ، وہاں اگر اس سے کوئی دشمنی کرے گا ، تو وہ دشمنی اس بندے سے کاہے کو ہوگی ، اللہ ہی سے ہوگی ، اور اللہ کا دشمن جسے اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی دے رہے ہوں ، بچ کر کہاں جاسکتا ہے ۔

لیکن ابھی معاملہ اسی پر ختم نہیں ہے ، اس محبوبیت ومقبولیت کی مزید معراج دیکھئے ، فرماتے ہیں : **وما ترددت عن شيءٍ أنا فاعله ترددي عن نفس المومن يكره الموت وأنا أكره مساءته** ، اور جن کاموں کو مجھے کرنا ہوتا ہے ، ان میں سے کسی میں مجھے وہ تردد نہیں ہوتا ، جو مومن کی موت کے سلسلے میں ہوتا ہے ، مومن موت کو ناگوار سمجھتا ہوا اور مجھے اس کی ناگواری ، گوارا نہیں ہوتی ۔

خیال فرمایئے! ایک بندۂ مومن جو ولایت کے مذکورہ احوال سے متصف ہو، اس کی پسند وناپسند کا اللہ کو کس درجہ لحاظ ہے۔

یہاں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ شیخ ابوالفضل بن عطاء کے حوالے سے ایک ضروری تنبیہ تحریر فرماتے ہیں، اللہ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں، ان میں وہ فرائض ظاہرہ بھی ہیں، جن کا کرنا فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، اور وہ بھی داخل ہیں جن کا ترک فرض ہے، جیسے زنا اور قتل وغیرہ، اسی طرح وہ فرائض بھی اس میں داخل ہیں جن کا تعلق باطن اور قلب سے ہے، فعلاً بھی اور ترکاً بھی، مثلاً اللہ کی معرفت، اس کی محبت، اس پر توکل، اس کا خوف وغیرہ

بہرحال جن کے یہ احوال واوصاف ہوں، ان سے دشمنی کرنا خطرناک ہے، احتیاط تو اس میں ہے کہ کسی بندۂ مومن کی عداوت اپنے دل میں نہ رکھے، لیکن جن مومنین کے کچھ خصوصی احوال ہوں، ان کی دشمنی اور ایذارسانی سے بہت بچنا چاہئے ورنہ قدرت کا انتقام ایسی راہوں سے آئے گا جس کا وہم وگمان بھی آدمی کو نہ ہوگا۔

فالحذر الحذر من معاودة اولیائه تعالیٰ۔ أللّٰهم إنا نسالک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقربنا إلیٰ حبک یاأرحم الراحمین۔

(حدیث دردِل ص: ۴۷ تا ۴۸)

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ 46 کا

معاملات کے اس دوسرے حصہ کا تعلق چونکہ اسلامی شریعت کے عائلی اور شخصی نظام سے اس لیے ہمارے ملک، ہندوستان کا مسلمان ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ حکومتِ ہند کوئی ایسا قانون بنائے جو ''مسلم پرسنل لا'' کے خلاف ہو اور جس قانون سے مسلمانوں کے بنیادی اور مذہبی حقوق کی پامالی ہوتی ہو۔ ہندوستان کا مسلمان ذاتی طور شریعت پر عمل کرنے کے سلسلہ میں بہت غیور، جرءت مند اور باہمت ثابت ہوا ہے کہ وہ اس ملک میں جہاں دسیوں مذہبوں اور سیکڑون فرقوں کے لوگ آباد ہیں قرآن وسنت کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے، ''مسلم پرسنل لا'' پر عمل پیرا ہے، اور اپنے اسلامی تشخص اور اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ صدیوں سے آج تک قائم ہے۔

□□□□□

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فراوانیٔ رزق کے روحانی اصول

مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی، شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

اٹھارہویں صدی میں، یورپ کے اقتصادی انقلاب کے بعد جب سے دنیا کا معاشی نظام کفر و الحاد کے ہاتھوں میں آیا تب سے لوگوں کی سوچ کا دھارا بدل گیا۔ پہلے جب تجارت و معاملات میں مذہب کا عمل دخل تھا لوگوں کی ذہنیت امانت و دیانت اور فکر آخرت سے معمور تھی۔ لوگ اگر ایک طرف رزق کے حصول کی تدبیریں کرتے تھے تو دوسری طرف رازق کائنات پر توکل کرتے تھے اور اس کے رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ مگر آج دنیا کا نقشہ بدل چکا ہے، چاروں طرف کفر و مادیت کا دور دورہ ہے۔ مذہبی قدریں اور دینی روایات پامال ہورہی ہیں۔ ہر شخص جائز و ناجائز کسی بھی طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی دھن میں ہے۔ اور تو اور، خود مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ حصولِ زر کے لیے اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ ان کے دلوں میں، معاذ اللہ، یہ خیال گھر کر چکا ہے کہ اسلامی احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اقوامِ عالم کی طرح دولت نہیں کمائی جا سکتی ہے۔ حالاں کہ ایک نہایت بے ہودہ اور مہمل خیال ہے۔ اسلام نے دنیا کو ایک مکمل اور دائمی نظام حیات پیش کیا ہے جو ہر طرح کے حالات میں اس کی ہمہ جہت رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ عوام تو عوام اچھے خاصے مذہبی لوگ بھی حصول رزق کے لیے حیران و پریشان نظر آتے ہیں لیکن ان کی نظر کبھی ان اعمال کی طرف نہیں جاتی جنہیں اللہ تعالی نے کشادگیٔ رزق اور کثرتِ مال کا سبب قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے ایسے اعمال کی طرف واضح اشارہ موجود ہے جو رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا باعث ہیں۔ درج ذیل سطور میں مختصراً دس اصول پیش خدمت ہیں:

۱۔ توبہ واستغفار:

قرآن پاک میں کئی مقامات پر توبہ واستغفار کے ذریعہ رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اقول نقل کیا گیا ہے: ''میں نے ان (قوم) سے کہا اپنے رب سے معافی

مانگو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال و اولاد کی فراوانی بخشے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔'' (سورۃ النوح، آیت ۱۰۔۱۱)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو استغفار کی دعوت دی: ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو پھر اپنے رب سے رجوع کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور (دیکھو) مجرم بن کر منہ نہ پھیرو'' (سورہ ھود آیت ۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بکثرت استغفار کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے چھٹکارا اور ہر تنگی سے کشادگی عنایت فرماتے ہیں اور اسے ایسی راہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں جن کا اس کے وہم وگمان میں گذر تک نہیں ہوتا''۔ (ابوداود، ح: ۱۵۱۸)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ طلبِ بارش کے لئے نکلے، آپ صرف استغفار کر کے واپس آ گئے، لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم نے آپ کو استسقاء کی دعا کرتے سنا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے آسمان سے بارش برسانے والے سے بارش طلب کی ہے۔ پھر آپ نے آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ امام حسن بصریؒ ہر اس شخص کو استغفار کا حکم دیتے جو آپ سے خشک سالی، فقر، اولاد کی کمی اور باغات سوکھنے کی شکایت کرتا۔

توبہ واستغفار کی حقیقت یہ ہے کہ کہ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے، اپنے کیے پر شرمندہ ہو، آیندہ ترکِ معصیت کا پختہ عزم کرے اور جہاں تک ممکن ہو اعمالِ خیر سے اس کا تدارک کرے۔ اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی توبہ کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحبِ حق سے معاملہ صاف کرے۔ ان شرائط کے بغیر توبہ بے حقیقت ہے۔

۲۔تقوی و پرہیز گاری:

تقوی اللہ کے احکام پر عمل اور ممنوعات سے اجتناب کا نام ہے۔ تقوی ان امور میں سے ایک ہے جن سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا'' (۔سورہ طلاق آیت ۲، ۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کشادگئ رزق کے متعلق یہ سب سے مہتم بالشان آیت ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے

اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔لیکن انھوں نے جھٹلایا اس لیے ہم نے ان کی کمائی کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا'' (سورۃ الاعراف،۹۶)

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''اگر وہ تورات اور انجیل اور اس (کتاب) کو جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے قائم کرتے تو انھیں اوپر سے بھی رزق ملتا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی، ان میں ایک گروہ ضرور راہ راست پر ہے لیکن زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جن کے اعمال بہت برے ہیں (سورۂ مائدہ،۶۶)

اس آیت میں لفظ ''برکات'' استعمال کیا گیا ہے جو برکت کی جمع ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برکتیں مختلف انواع واقسام کی ہوا کرتی ہیں۔نیز یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ برکت کا مطلب کثرت مال نہیں بلکہ کفایت مال ہے۔ورنہ بہت سے لوگ کثرت مال کے باوجود معاشی تنگی کا رونا روتے ہیں اور معاشی طور پر بہت سے بظاہر درمیانی درجے کے لوگ انتہائی اطمینان سے زندگی گذارتے ہیں۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں آسمان کی برکت سے مراد بارش اور زمین کی برکت سے مراد نباتات، میوہ جات، مویشی، چوپایوں کی کثرت اور امن وسلامتی ہے کیوں کہ آسمان باپ اور زمین ماں کے قائم مقام ہے اور مخلوقِ خدا کی تمام بھلائیاں اور منافع انھیں دونوں سے وابستہ ہیں۔امام خازنؒ کے بقول برکت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز میں من جانب اللہ خیر پائی جائے۔

۳۔عبادت خداوندی میں انہماک:

اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے دوران بندہ کا دل وجسم دونوں حاضر رہے۔خدائے واحد کے حضور میں خشوع وخضوع کا پاس رکھے۔اللہ کی عظمت ہمیشہ اس کے دل ودماغ میں حاضر رہے۔حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! میری عبادت میں منہمک رہو میں تیرا دل غنا سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند کردوں گا۔اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارے ہاتھوں کو کثرت مشاغل سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند نہیں کروں گا۔(ابن ماجہ، ح ۴۱۰۷)

۴۔توکل علیٰ اللہ:

ارشاد باری ہے: جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لیے کافی ہوگا، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے۔'' (سورۂ طلاق، ۳)

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر تم حسن وخوبی کے ساتھ اللہ پر توکل کرو تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے؛ وہ صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کے وقت آسودہ ہو کر لوٹتے ہیں۔'' (مسند احمد، ح: ۲۰۵، ج ۱ ص ۲۴۳)

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اللہ پر دل کے اعتماد کو توکل کہتے ہیں۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ اور اپنی طرف سے عاجزی کے اظہار کو توکل کہتے ہیں۔ ملّا علی قاریؒ کے بقول اس بات کا یقین کہ موجودات میں صرف اللہ کی ذات مؤثر ہے کسی چیز کا نفع، نقصان، امیری، غریبی، صحت، مرض، حیات اور موت وغیرہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسبِ معاش کی تمام کوششوں کو ترک کر دیا جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا جائے۔ خود حدیث مذکور میں نبی کریم ﷺ نے پرندوں کی مثال پیش کی ہے کہ وہ تلاشِ رزق میں صبح سویرے نکل جاتے ہیں۔ پرندوں کا صبح سویرے اپنے آشیانوں سے نکلنا ہی ان کی کوشش ہے۔ ان کی انھیں کوششوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو شام کے وقت اسودہ و سیراب واپس کرتے ہیں۔ لہٰذا اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسباب اختیار کرنا عین تقاضائے شریعت ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کرلوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے باندھو، پھر توکل کرو''۔ (مسند الشہاب، حدیث نمبر ۱۴٦۳۳ / ۳٦۸)

۵۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا اجر اس کے پیچھے آئے گا، اور وہ بہترین رازق ہے۔'' (سورۃ الصبا، ۳۹)

دوسری جگہ فرمان باری ہے: ''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل (رزق میں کشادگی اور برکت) کا وعدہ کرتا ہے، اللہ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ، ۲٦۸)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ بنی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابن آدم! خرچ کر، میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔'' (ابن ماجہ، ح ۲۱۲۳)

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا ''اے

بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے افلاس کا خوف نہ کرو''۔(مشکاۃ المصابیح، ح ۱۸۸۵، ۱/۵۹۰)

۶۔ طالبانِ علوم اسلامیہ پر خرچ کرنا:

امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ایک بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علم ومعرفت حاصل کرنے آیا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کسبِ معاش میں لگا ہوا تھا۔ کسبِ معاش سے جڑے بھائی نے نبی کریم ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ میرا بھائی کسبِ معاش میں میرا تعاون نہیں کرتا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔(ترمذی، ح ۲۴۴۸، ۷/۸)

علماء نے لکھا ہے کہ علوم اسلامیہ میں مشغول رہنے والے لوگ درج ذیل آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں: ''اعانت کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، بے خبر آدمی ان کی خودداری دیکھ کر انھیں غنی خیال کرتا ہے، تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔''(سورۃ البقرۃ، ۲۷۳)

۷۔ صلہ رحمی واقرباء پروری:

حضرت ابوہریرہؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیفرمایا ''جسے وسعت رزق اور درازیٔ عمر کی خواہش ہو اسے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے''۔(صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۵۹۸۵)

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جسے درازیٔ عمر، وسعتِ رزق اور بری موت سے چھٹکارہ پانے کی خواہش ہو اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے۔(مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۱۲، ۲/۲۹۰)

رِحم سے مراد رشتہ دار ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رحم کا اطلاق رشتہ داروں پر ہوتا ہے خواہ ان کے درمیان وراثت اور محرمیت کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے کہ حسب وسعت رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے اور شرور وفتن سے انھیں محفوظ رکھا جائے۔

۸۔ کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندوں کو ان کے کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔حضرت مصعب بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ سعدؓ نے دیکھا کہ

انھیں دیگر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے، تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کم زوروں کے طفیل میں ہی تم کو رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر ،۱۰۸، ۱۴/ ۱۷۹)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میری رضا اپنے کم زوروں کے اندر تلاش کرو، کیوں کہ تمہیں کم زوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (مسند احمد، ۵/ ۱۹۸؛ ابوداوٗد، ح ۲۵۹۱، ۷/ ۱۸۳؛ ترمذی، ابواب الجہاد، ۱۷۵۴)

۹۔یکے بعد دیگرے حج و عمرہ کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پے در پے حج وعمرہ کرو؛ کیوں کہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ صرف جنت ہے۔'' (مسند احمد، ح ۳۶۶۹، ۵/ ۲۴۴، ۲۴۵، ترمذی، ح ۸۰۷، ۳/ ۴۵۴)

۱۰۔اللہ کے راستے میں ہجرت:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا'' (سورۃ النسائ،۱۰۰)

ہجرت دارالکفر (جہاں امورِ ایمان کی ادئیگی کی آزادی مسلوب ہو) سے دارالایمان کی طرف نکلنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی ہجرت اس وقت ہوگی جب مہاجر کا ارادہ اللہ کا دین قائم کر کے اسے خوش کرنا ہو اور ظالم کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنی ہو۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں وضاحت ہے کہ ان سے بندہ کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی تنگی دور کر دی جاتی ہے۔ □□□□

حادثہ وفات

27 صفر 1438ھ مطابق 28 نومبر 2016ء بروز دوشنبہ مدرسہ کے باورچی جناب بدرالدجیٰ صاحب کا ایک مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ دوشنبہ کو موصوف حسب معمول کھانا پکانے آئے، ناشتہ کے بعد اچانک طبیعت خراب ہوئی فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر نے دیکھنے کے بعد بتایا کہ انتقال ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اسی روز مغرب کے بعد مولانا عبدالعظیم صاحب ناظم مدرسہ کی امامت میں جنازہ کی نماز ہوئی، اور تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

یادگارِ سلف

حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ

(المتوفی: ۲۲رذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۵رستمبر ۲۰۱۶ء بروز یکشنبہ)

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی، ناظم مدرسہ ہذا

القدرۃ للہ والبقاء للہ، دنیا دن بہ دن اہل علم، اولیاء اللہ سے خالی ہوتی جارہی ہے، قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ علم اٹھانے کی نوعیت یہ ہوگی کہ اہل علم اٹھالئے جائیں گے۔

۲۵رستمبر ۲۰۱۶ء بروز یکشنبہ عالمی شہرت یافتہ ادارہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا محمد ظہور صاحب ندوی کا سانحہ ارتحال بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، اللہ رب العزت نے حضرت مفتی صاحب کو عصر حاضر کے راسخین فی العلم کی صف میں ایک ممتاز مقام عطا کیا تھا۔ زہد واستغنا، سنجیدگی ومتانت، تواضع اور بے لوثی کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ میں گہرائی وگیرائی، خاص کر فقہی مسائل میں تعمق واستحضار حضرت مفتی صاحب کا خاص وصف تھا، چونکہ مفتی صاحب تصنیف وتالیف اور تقریر وخطابت کے میدان کے آدمی نہیں تھے، بلکہ ان کا ساراز ور درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ اور رجال سازی ومردم گری پر تھا، اسی میں انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا استعمال کیا اور کامیاب استاذ کا کردار ادا کیا، اس لیے اہل علم مفتی صاحب کے صحیح مقام ومرتبہ سے واقف تھے، لیکن عامۃ المسلمین کا طبقہ مفتی صاحب کے کمالات سے نہ باخبر ہے اور نہ ہی ان کے نام کی گونج ان کے کانوں میں پڑی۔ خاص ان کے وطن مالوف سکٹھی شاہ محمد پور، مبارکپور اور قرب وجوار کے قصبات کے اکثر لوگ بھی مفتی صاحب سے اور ان کے بلند مقام سے واقف نہیں۔ یہ ٹوٹا ہوا تارا دیار مشرق خطہ اعظم گڑھ کے علمی افق پر نمودار ہوا تھا اور ۷۰رسال تک مسلسل دلیل راہ بن کر متلاشیان علوم نبویہ کی راہنمائی کرتا رہا۔

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت پر ان ہی کے خاندان کے ایک فاضل نوجوان جو رشتے میں ان کے پوتے ہیں مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی بانی وناظم مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی نے یہ گرانقدر مضمون تحریر کیا ہے، اور حضرت مفتی صاحب کے خاندانی پس منظر سے پردہ اٹھایا، ان شاء اللہ وہ آئندہ تفصیل سے مفتی صاحب کے سوانح پر لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (ادارہ)

ندوۃ العلما لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ایک بے مثال شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، ایسے لوگ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، جن پر دنیا رشک کرے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

مفتی محمد ظہور صاحب بھی اپنے اوصاف وکمالات اور علم وفن میں نشانِ کارواں اور بعد والوں کے لیے مشعل راہ ہیں، جو کہ اب ہماری بزم حیات سے چلے گئے اور اپنا نشان دلوں میں چھوڑ گئے۔

ولادت: آپ کی ولادت ضلع اعظم گڑھ کے مشہور صنعتی قصبہ مبارکپور سے متصل بجانب مغرب سکٹھی شاہ محمد پور کے ایک نمایاں علمی خانوادے میں ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۶ھ میں ہوئی، آپ کا خانوادہ ہر دور میں اپنی بعض خوبیوں کی بنا پر نمایاں رہا ہے، نیز علم وحکمت اور انصاف پروری میں معروف رہا ہے، آپ کا سلسلہ نسب ضیاء الدین خانؒ سے جا کر ملتا ہے، جو عہد جہانگیری میں جون پور کے نواب زادے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد ضیاء الدین خان نام رکھا اور آپ کے والد نے آپ کو سکٹھی شاہ محمد پور کی جاگیر عطا فرمائی، پھر آپ کی ہی نسلوں سے سکٹھی آباد وشاد ہوا، اور دھیرے دھیرے مختلف خاندان وجود میں آئے اور باضابطہ ایک گاؤں کی شکل اختیار کرلی۔

سلسلۂ نسب: آپ حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ بن جناب عبدالستار خان صاحب بن جناب خان محمد خان صاحب بن جناب جبین خان صاحب بن جناب جمن خان صاحب، یہاں تک سلسلہ نسب مل سکا، لیکن مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب ''قاعدہ بغدادی'' میں حضرت مولانا حکیم محمد صابر صاحبؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ''آپ ضیاء الدین خان کی نسل سے ہیں، نیز ضیاء الدین خان کی نسل میں خان محمد خان سب سے زیادہ مشہور و معروف ہوئے''۔ اور خان محمد خان حضرت مفتی صاحب کے دادا لگتے تھے، ایسے ہی آپ کے چچازاد بھائی حکیم محمد صابر خان ندوی بھی علم وحکمت میں بڑے ہی مشہور تھے، (ان شاء اللہ آپ کا تذکرہ کسی الگ مضمون میں آئے گا) نیز حضرت مولانا حکیم محمد صادق خان اور حکیم عاشق الٰہی صاحب اور منشی یعقوب صاحب اس خانوادے میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اللہ ان تمام بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔

تعلیم: آپ کا گھرانہ چونکہ ایک علمی گھرانہ تھا، ایک سے ایک ماہر فن خاندان میں موجود تھے، لہذا ابتدائی تعلیم کے لیے کسی رسم کی ضرورت نہیں تھی، محلے پڑوس کے بچے گھر میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اس لیے گھر کے بچے بھی بزرگوں کی نگرانی میں ابتدائی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، گاؤں سے پچھّم آم کے درخت کے نیچے ایک چبوترہ تھا، جہاں پرائمری کی ابتدائی تعلیم کا نظم تھا، آپ نے بھی پرائمری کی تعلیم اسی چبوترے اور گھر کی چہار دیواری میں ہی حاصل کی، پھر باضابطہ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا انتخاب فرمایا، اور چند ہی سالوں میں شرح جامی تک تعلیم مکمل کر لی، اس وقت جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں شرح جامی تک ہی تعلیم کا نظم تھا، اب آگے کی تعلیم کا ایک مرحلہ تھا، حضرت مولانا حکیم محمد صابر صاحب کی فراغت ہو چکی تھی، بہرکیف رائے اور مشورے سے ندوۃ العلما کا انتخاب ہوا، ندوۃ العلما کا انتخاب کرنے کی ایک بڑی وجہ حضرت مفتی صاحب کے بہنوئی حضرت مولانا مفتی سعید صاحب ہینگائی پور اعظم گڑھ تھے، جو ندوۃ العلما میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دے رہے تھے، ان ہی کی ایماء پر حضرت مفتی صاحب نے ندوہ کا رخ کیا اور اعلیٰ تعلیم کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم ندوۃ العلما میں: جس وقت آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلما میں داخلہ لیا، اس وقت اپنے اپنے فن کے ماہر اساتذہ کرام موجود تھے، اور طلبہ کی تعداد بھی کم ہوتی تھی، تعلیم و تعلم کے خوب مواقع تھے، بقول مفتی صاحب: ''ہمارے زمانے میں اساتذہ سب لائق فائق تھے، ان کی خدمت کو ہم اپنی سعادت تصور کرتے تھے، ان کی زندگی ہمارے لیے نعمت تھی، اب وہ بات کہاں رہ گئی، اب تو سب کچھ بدل گیا۔''

حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ میں نابغہ روزگار شخصیات تھیں اور آپ اپنے اساتذہ کا مکمل پرتو تھے، خاندانی وجاہت، خودداری، سادگی، تواضع اور اساتذہ کی شفقت وعنایت اور تربیت نے آپ کو کندن بنا دیا، چند ہی سالوں میں آپ ندوہ کے ہونہار طالب علموں میں شمار ہونے لگے۔ شرح وقایہ آپ نے مولانا شبلی فقیہ سے پڑھی، نیز علامہ سید سلیمان ندوی بھی آپ کے ادب کے استاذ تھے، آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے پڑھی جو سلون رائے بریلی کے رہنے والے تھے، آپ کو زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ آپ کے ساتھ انتہائی محبت فرماتے تھے، آپ کی بے لوث شخصیت نے اکثر اساتذہ کرام کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا،

حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے بہت متاثر تھے، فضیلت تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا اور یہی آپ کا اصل میدان تھا، فقہ پر جو دسترس آپ کو حاصل تھی وہ کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

تدریسی اور فقھی خدمات: فراغت کے بعد آپ نے یہ طے کیا کہ تعلیم وتعلم کی راہ سے دین کی خدمت کرنی ہے، اب مسئلہ یہ تھا کہ کہاں سے دین کی خدمت شروع کی جائے؟ آپ کی خواہش تھی کہ ندوۃ العلما ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں، گھر سے آپ بالکل فارغ تھے، معاش کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، گاؤں میں واپسی کا مطلب تھا کہ کھیت کھلیان اور جاگیر سنبھالنا، ورنہ دینی خدمت کے لیے گاؤں سے اچھی کوئی جگہ نہیں تھی، اس کا احساس آپ کو زندگی بھر رہا، بہر کیف کلکتہ میں کوئی جگہ خالی تھی، آپ نے درخواست بھیج دی جو قبول ہوگئی، جانے کی تیاری بھی آپ نے کرلی، اس سے قبل آپ نے ندوہ میں کوشش کی تھی، شاید ابھی کوئی جگہ نہیں تھی، کلکتہ جانے کا تذکرہ جب مولانا سعید احمد صاحب ندوی (جو آپ کے بہنوئی بھی تھے اور سرپرست بھی) کو ہوا تو آپ نے روکا اور ندوہ کے ذمہ داروں سے بات کی اور آپ کو بطور معین مفتی دارالافتا میں جگہ ملی اور آپ کا تقرر ۵۰/روپئے ماہوار پہ ہوا، تقریباً ڈیڑھ سال کی جدوجہد اور کوشش نیز آپ کی بہترین خدمات کو دیکھتے ہوئے آپ کو مفتی کی جگہ دے دی گئی۔ وہ زمانہ تھا اور آج کا دن، آپ نے ندوہ کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اور یہیں سے اٹھ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ آپ مفتی اعظم کے عہدے پر بھی فائز رہے اور تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے، آپ کا درس بہت مقبول تھا، طلبا آپ سے بہت خوش رہتے، مختلف دور میں آپ نے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، بعض دوستوں نے (جو باضابطہ حضرت مفتی صاحب کے شاگرد ہیں) فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کو بعض کتابیں ازبر یاد ہیں، فقہ تو آپ کا میدان تھا ہی، اس کے علاوہ بہت ساری ذمہ داریاں آپ کے سپرد رہی ہیں اور ہر ذمہ داری کو آپ نے بخوبی نبھایا، ۶۴/سالہ دور میں استاذ فقہ وحدیث اور صدر شعبۂ افتاء کے علاوہ ناظم دارالاقامہ ناظم مطبخ، ناظم تعمیرات، نائب مہتمم اور آخری دور میں نائب ناظم کی حیثیت سے آپ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور ان سے ذمہ دارانِ ادارہ اس قدر مطمئن تھے کہ کبھی

کسی ذمہ دار کو شکایت کا موقع نہیں ملا، نہ کبھی ہم عصر اساتذہ کرام سے کوئی چپقلش رہی، سب کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب طبیعت کا مالک بنایا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

غصہ نہ ہونا، معاف کردینا، اپنوں اور غیروں کے کام آنا، سب کی خدمت کرنا، اپنا کام خود سے کرنا، اپنی کمیوں پر نگاہ رکھنا، دوسروں کی خوبیوں کو بیان کرنا، یہ اور اس طرح کی سیکڑوں خوبیاں تھیں جو بلا مبالغہ آپ کی ذات میں موجود تھیں، میری ملاقات اطراف وجوانب کے بہت سے لوگوں سے ہوئی، جن کا آنا جانا لکھنؤ ہوتا رہتا تھا، لوگ اپنی ضرورت کے واسطے لکھنؤ جاتے تو حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی غرض سے یا اپنے کسی کام سے ان کی خدمت میں حاضری دیتے، مفتی صاحب ان کو نہیں پہچانتے، لیکن جب بتایا جاتا کہ کوئی اعظم گڑھ، مئو یا مبارک پور سے آیا ہے، تو آپ بہت خوش ہوتے، جو کام ہوتا اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے، نیز ان مہمانوں کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتے۔

جب ۲۰۱۰ء میں، میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کی معذوری کا ابتدائی زمانہ، میں نے دروازہ کی کنڈی بجائی تو آپ کے خادم باہر آئے ان سے میں نے کہا کہ مفتی صاحب سے کہہ دیجئے کہ آپ کے پوتے آئے ہیں، اجازت ملی اور مجھ کو اندر بلالیا، حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، آپ بہت خوش ہوئے، گھر اور خاندان کے احوال پوچھے، میں نے سب کی خیریت بتائی، تقریباً چار گھنٹے مفتی صاحب بات کرتے رہے، مجھے حیرت ہوتی رہی کہ اتنی طویل گفتگو اور ایک بار بھی آپ نے اپنی پراپرٹی، کھیت کھلیان اور باغ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا، صرف کتاب، علم وعلما اور صلحا کی باتیں ہوتی رہی، خوب نکتے بیان کرتے رہے، بزرگوں کے واقعات سناتے رہے۔ میں نے خود ان کی اپنی زندگی کے بارے میں کئی سوال کئے، آپ نے ان سب کے جواب دئے۔

حضرت مفتی صاحب کو جب میں نے بتلایا کہ حضرت! گاؤں میں ایک اہم دینی کام ہوا ہے اور خاندان کے لوگوں نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے، جس کو تحفیظ القرآن کے نام سے موسوم کیا گیا، نیز باغ میں ایک مسجد ''بیت المجید'' کی تعمیر کا کام جاری ہے، مدرسہ میں پرائمری اور حفظ کا شعبہ چل رہا ہے اور خاندان والوں نے مشورہ سے آپ کو سرپرست منتخب کیا ہے، آپ اس ذمہ داری کو قبول

فرمایئے، آپ کی سرپرستی ہم لوگوں کے لیے باعث سعادت ہوگی، حضرت مفتی صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ اب میں معذور ہوگیا ہوں، سفر کرنہیں پاتا، اس لیے یہ ذمہ داری کسی اور کوسونپ دو، میں نے کہا: حضرت! آپ کی دعائیں، آپ کے مشورے ہمارے لیے بہت ہی مفید ہوں گے، آپ جیسے بزرگوں کی ضرورت ہے، بہرحال دادا نے اس کو قبول فرمالیا اور بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا کہ گاؤں میں مسجد بھی بن رہی ہے اور مدرسہ بھی چل رہا ہے، اس وقت حضرت مفتی صاحب کی جو کیفیت تھی وہ قابل دید تھی، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''جو فرض کفایہ خاندان والوں کے ذمہ تھا اور خاص طور پر ہم لوگوں کے ذمہ تھا، وہ آج پورا ہوگیا، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اب ان شاء اللہ ہم عاصیوں کی مغفرت ہوجائے گی'' اس کے بعد مدرسہ کے لیے خوب دعائیں دیں۔ کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب مجھ کو جانا ہے، اگر طبیعت میں بشاشت ہو تو مدرسہ کے لیے کچھ تحریر لکھ دیں، تاکہ مدرسہ کے کام میں کچھ آسانی ہو۔ حضرت مفتی صاحب کی سادگی دیکھئے، آپ نے فرمایا: ''میرا کوئی لیٹر پیڈ نہیں اور نہ ہی کوئی مہر ہے، نہ میرا کوئی رابطہ نمبر ہے، ٹھیک ہے جب تم کہتے ہو تو ایک تحریر لکھ دیتا ہوں'' اور پھر آپ نے ایک سادے کاغذ پر تصدیق تحریر فرمائی، اس کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ پھر سال میں دو تین بار ملاقات کی غرض سے جانا ہوتا، دادا بہت خوش ہوتے، دعائیں دیتے۔

ایک بار مدرسہ کی مالی امداد کیلئے ساؤتھ افریقہ کا پروگرام بنا، اگرچہ یہ سفر نہ ہوسکا، لیکن جب حضرت مفتی صاحب کو معلوم ہوا تو اپنے دیرینہ رفیق علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے علامہ سید سلمان ندوی مقیم ڈربن (ساؤتھ افریقہ) کے نام ایک تحریر لکھی، جس سے مدرسہ کے ساتھ ان کے والہانہ لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکرم ومحترم مولانا سلمان صاحب ندوی **زیدت عنایتکم**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بخیر ہوں گے، ضروری تحریر یہ ہے کہ جب آپ ندوہ تشریف لاتے ہیں تو بہار آجاتی ہے، پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ ہمارے یہاں وطن میں قریبی عزیزوں نے مدرسہ قائم کیا ہے، نوجوان مخلص حضرات مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، مدرسہ چل رہا ہے۔ مالی دشواری ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی وہاں سے افریقہ جائے تو وہ آپ سے ملاقات کرے گا، امید کہ آپ ان کا تعاون فرمائیں گے، بندہ عاجز آپ کا ممنون ومشکور ہوگا۔ محمد ظہور ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک اور ملاقات: یہ ۲۰۱۴ء کا شدید سردی کا زمانہ تھا، میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں مفتی صاحب سے ملاقات کے لیے پہنچا، اتفاق سے آپ بالکل تنہا تھے، تھوڑی دیر خدمت کا موقع ملا، وہیل چیئر پر بیٹھا کر آپ کو باہر دھوپ میں لایا، اس دن آپ کی طبیعت کچھ بہتر تھی، گھر، خاندان اور گاؤں کی خیریت دریافت کرنے کے بعد آپ نے بزرگوں کے حالات بیان کرنا شروع کئے، مولانا منظور نعمانی، حضرت مولانا علی میاں ندوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت سے واقعات بیان فرمائے، اور حضرت مولانا عبدالباری ندوی کے دلچسپ علمی واقعات بیان فرمائے، جن کو طوالت کی وجہ سے حذف کر رہا ہوں۔

میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا، حضرت! کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جو آپ کی زندگی میں اہمیت رکھتا ہو؟ حضرت نے فرمایا:

لکھنؤ کے ایک تاجر کا بڑا بزنس تھا، ایک دن وہ آئے اور فرمانے لگے: حضرت! میرے لیے دعا فرمادیں، میں نے کہا ٹھیک ہے، تاجر صاحب نے کہا: یوں نہیں، میرے گھر تشریف لے چلیں، وہ اپنے گھر لے کر گئے، ناشتہ کے بعد انھوں نے اپنے نئے بنگلہ کی چابی دی اور کہا: حضرت! یہ آپ کی خدمت میں تحفۃً پیش ہے، اس کو قبول فرمایئے، مفتی صاحب نے فرمایا: یہ ہمارے لیے مناسب نہیں، آپ کا خلوص اپنی جگہ، ہماری خودداری یہ تحفہ قبول نہیں کرسکتی، ہماری تنخواہ مختصر ہے، لوگوں کو میں کیا جواب دوں گا، لہذا ہدیہ قبول نہیں، دعا آپ کے لیے کروں گا۔ مفتی صاحب کی یہ سادگی اور احتیاط ان کے زہد کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اللہ آپ کو غریق رحمت کرے۔

آپ کی گمنام شخصیت: حضرت مفتی صاحب ایک گمنام شخصیت کے مالک تھے، دولت، عہدہ اور شہرت جو آج کل علما حضرات کی بھی بیماری بن گئی ہے، مفتی صاحب ان لوازمات سے پاک تھے، دنیا کو انھوں نے صرف بقدر ضرورت لیا، میں نے ان سے کہا: اتنے زمانے سے آپ فتوی تحریر فرمارہے ہیں، اپنے فتاویٰ کا ایک سیٹ تیار کرادیجئے؟ حضرت نے فرمایا: یہ خدمت آخرت کے لئے ہے، نام ونمود اور آمدنی کے لئے نہیں۔ آپ کی گوشہ نشینی اور گمنامی کا یہ عالم تھا کہ گاؤں اور اطراف وجوانب کے لوگ آپ کی شخصیت سے ناواقف تھے، صرف اہل علم حضرات ہی آپ کو جانتے تھے وہ بھی بہت کم لوگ۔ ایک بار حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، تعارف کے بعد انھوں نے فرمایا کہ مفتی ظہور صاحب کی شخصیت اسلاف کی یادگار رہے، ان کے

فتاوی بہت عمدہ ہوتے ہیں، ان کی سادگی اور زہد تو یکتائے زمانہ ہے۔

آخری ملاقات: حضرت مفتی صاحب کے انتقال سے ۲۰/دن پہلے میں اور مولانا ضیاء الدین صاحب ندوی قاسمی حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی غرض سے ندوۃ العلما گئے، شام کا وقت تھا، مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، بہت خوش ہوئے فرمایا: کوئی کام ہو تو بتاؤ، میں نے کہا: حضرت! مدرسے کے لیے حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب الاعظمی دامت برکاتہم سے ایک تصدیق نامہ لکھوا دیجئے، مدرسے کو سات سال ہو گئے، اچھے خاصے حفاظ بھی تیار ہو گئے، عربی شعبہ بھی قائم ہو گیا، کبھی کوئی جلسہ نہیں ہوا، فروری ۲۰۱۷ء میں جلسہ کا ارادہ ہے، حضرت مولانا سید رابع حسنی صاحب ندوی مدظلہ سے ہمارے لیے تاریخ متعین کرا دیجئے، تاکہ ایک بار آپ کی موجودگی میں علما وصلحا کا ورود مسعود ہو جائے، مفتی صاحب نے فرمایا: ٹھیک ہے، ابھی چلتے ہیں، اس وقت بیماری شدید تھی، پیروں میں تکلیف تھی، آپ نے اپنے نواسے کو بلایا اور کہا کہ مغرب کے بعد مولانا سعید الرحمن صاحب دفتر میں آجاتے ہیں تو بتانا، بعد مغرب اطلاع دی گئی کہ مہتمم صاحب دفتر میں موجود ہیں، آپ وہیل چیئر پر دفتر کے لیے روانہ ہوئے، پھر یاد آیا کہ دفتر کا مین گیٹ بند ہے، ذیلی راستے میں لوہے کا سرکل لگا ہوا ہے، جس میں وہیل چیئر داخل نہیں ہوگی، ارادہ ملتوی فرمادیا اور فرمایا کہ سنیچر کے دن یاد دلا دینا، دونوں کام کرادوں گا ان شاء اللہ، جمعہ کے دن ہم لوگ اعظم گڑھ آگئے، کئی دنوں تک رابطے کی کوئی شکل نہ بن سکی، آخر کار حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی نے اپنے ایک شاگرد کے سپرد یہ کام کردیا کہ شنبہ کو مفتی صاحب کو یاد دلا دینا، جب وہ بچہ جاکر ملا ہے تو مفتی صاحب نے تعارفی رسالہ تلاش کیا تو نہیں مل سکا، اس دوران کئی مرتبہ وہ لڑکا گیا لیکن رسالہ نہ ملنے کی وجہ سے کام نہیں ہوسکا، مفتی صاحب بہت پریشان تھے کہ آخر وہ رسالہ کہاں گم ہو گیا، انھوں نے فرمایا کہ ایک رسالہ منگوالو، اور پرسوں صبح میں چلو تاکہ جلد از جلد اس کام سے فارغ ہولیں، ہم لوگ مطمئن تھے کہ پرسوں صبح یہ کام ہو جائے گا لیکن تقدیر کا لکھا کچھ اور ہی تھا، جس صبح کا انتظار تھا وہ ۲۵/ستمبر تھی، طلوع شمس سے پہلے ہی فون بجا، اور ایک اندوہناک خبر کان سے ٹکرائی، آناً فاناً یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ آج علم دین، فقہ وفتاویٰ، زہد وتقویٰ کا ایک بے مثال عالم باعمل اس دار فانی سے کوچ کرکے اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔

اہل علم خصوصاً اہل ندوہ کے لیے یہ خبر بڑے ہی رنج وغم کی تھی، لیکن ہمارے خاندان کے لیے یہ غم کوئی معمولی نہیں تھا، ہمارا خاندان ایک مشفق رہنما سے محروم ہو چکا تھا، اور وہ ادارہ جسے آپ اپنے اور خاندان کے دوسرے علما کے لیے باعث نجات تصور کرتے تھے، آج یتیم ہو چکا تھا۔ اللہ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

اپنی نمازوں پر غور بھی کیجیے

حضرت شیخ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

آج کے پرفتن مشینی دور میں انسان ہر طرف سے مسائل میں گھرا ہوا ہے، پریشانیوں نے اسے خوب پریشان کر رکھا ہے، اسے سارا جہاں مسائلستان نظر آتا ہے، حالت یہ ہوگئ ہے کہ کھڑا تو نماز کی حالت میں ہوتا ہے مگر گھریلو پریشانیوں کی گتھیاں سلجھا رہا ہوتا ہے، کبھی کاروباری معاملات میں ڈوبا ہوتا ہے اور کبھی نفسانی شیطانی شہوانی تقاضوں کے دریا میں غوطے لگا رہا ہوتا ہے۔ نماز کی رکعتیں بھول جانا، التحیات میں سورۃ فاتحہ پڑھنا اور قیام میں سورۃ بھول جانا عام سی بیماری بن گئی ہے۔

حدیث پاک میں قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئ ہے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی مگر ان کے دل اللہ کی یاد سے خالی ہوں گے۔ ایک مسجد میں امام صاحب کو نماز کی رکعتوں میں شبہ ہوا، سلام پھیر کر مقتدی حضرات سے پوچھا کہ میں نے پوری رکعتیں پڑھی ہیں یا کم پڑھی ہیں؟ پوری مسجد میں ایک بھی نمازی ایسا نہ تھا جو یقین محکم اور صمیم قلب سے کہتا کہ ہم نے اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح کی نمازوں کے متعلق حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ وہ نمازی کے منہ پر واپس ماردی جاتی ہیں۔

کس قدر غم اور صدمے کی بات ہے کہ ایک شخص نے وقت فارغ کیا، وضو کیا، نماز بھی پڑھی مگر نماز کے ظاہری ارکان کے علاوہ اسے کچھ نہ ملا، مسجد میں نماز تو سب پڑھتے ہیں مگر ہر شخص کو اس کے خشوع وخضوع کے مطابق اجر ملتا ہے، سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک من سونا ہو، لوہا ہو یا مٹی ہو، وزن میں تو سب برابر مگر قیمت سب کی اپنی الگ الگ ہے۔ اللہ والوں کی نماز پر اگر سونے کا بھاؤ لگتا ہے تو عام صالحین کی نماز پر لوہے کا بھاؤ لگتا ہے، جبکہ غافلین کی نماز کو مٹی کے بھاؤ بھی قبول نہیں کرتے، بقول شاعر ؎

بزمیں چوں سجدہ کردم زز میں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

(جب میں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی اے ریا کے ساتھ سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا)

علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

سوچنے کی بات ہے کہ دنیا کی محبت میں گرفتار عاشق نامراد تو فانی چیزوں کے عشق میں اس حد تک گرفتار ہو جاتا ہے کہ ہر وقت انہیں کے خیالوں میں کھویا رہتا ہے اور ان کے حصول کی تمنا دل میں لئے نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتا رہتا ہے، وہ اپنے مطلوب کو پانے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے اور کبھی اپنی جان مال اور عزت و ناموس تک برباد کر لیتا ہے، اور ہم کیسے اللہ تعالیٰ کے نام لیوا اور عاشق صادق ہیں کہ عین نماز میں جب کہ ہم ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اس وقت بھی ان کی یاد دل میں نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ ہم اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، اسی لئے ہماری نمازیں بے روح و بے لذت ہیں۔ بقول شاعر ؎

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

جن سلف صالحین نے نماز کی حضوری حاصل کرنے کیلئے محنت کی انہیں اسی دنیا میں اپنی مراد مل گئی، چنانچہ شیخ عبدالواحد کے سامنے تذکرہ ہوا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو رو پڑے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیوں روئے، فرمایا اگر جنت میں نماز نہیں ہوگی تو پھر جنت کا مزہ کیسے آئے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سامنے کسی نے جنت کے حور و قصور کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی اگر قیامت کے دن مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہوگئی تو میں یہ عرض کروں گا کہ اللہ! اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عنایت فرما دیجئے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ لمبا سجدہ کرتے تھے، کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ جب میں سجدے میں ہوتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اپنا سر محبوب کے قدموں پر رکھ دیا ہے، بس پھر سر

اٹھانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے کیا خبر تھی سجود کی
تیرے نقش پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے:

جان لیں کہ دنیا میں نماز کا مرتبہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے مرتبہ کی مانند ہے، پس جو شخص دنیا میں بغیر وساوس کے نماز ادا کرے گا اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر حجاب کے ہوگا، اور اگر وساوس کے ساتھ نماز پڑھے گا تو آخرت میں دیدار بھی پردوں کے اندر سے ہوگا۔

کس قدر حسرت کی بات ہے کہ نماز پر محنت نہ کرنے کی وجہ سے نمازی کو دیدار خداوندی نصیب ہوگا مگر پردوں کے ساتھ، اے کاش ہم اپنی نمازوں پر محنت کرتے اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا سیکھتے تو روز محشر جمال بے نقاب کے دیدار کے مزے پاتے۔

فقیر (شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی) جب ایک طرف نماز کی اس اہمیت کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف نماز کی ادائیگی کے معاملے میں دوستوں کے احوال کو دیکھتا ہے تو دل میں شدت سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ سالکین کو بالخصوص اور عامۃ الناس کو بالعموم اس بارے میں فکر مند کرنے کی ضرورت ہے۔ آج بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کو نماز کی اہمیت وعظمت کا احساس ہی نہیں، بہت سے ایسے ہیں جو حضور قلب کی نعمت سے محروم ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو ارکان نماز کی صحت سے غافل ہیں، اور بہت سے ہیں جو ارکان نماز کی درستگی کی تو پوری کوشش کرتے ہیں لیکن طہارت کا معاملہ ڈھیلا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی ظاہری حالت کو درست کرنے سے متعلق فرمایا:

تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے اسے دیکھ رہا ہے، اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو یہ سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (مفہوم حدیث)

معلوم ہوا کہ ظاہر وباطن دونوں لحاظ سے نماز کی درستگی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حقیقت والی نمازیں پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے، وہ ہماری نمازوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور اپنی ذات پاک سے ہمکلامی کا ذریعہ بنا دے اور دیدار جمال یار تک پہنچا دے۔ آمین ثم آمین واللہ الموفق

بچوں کی تعلیم وتربیت

مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب جامعہ حمادیہ کراچی

والدین بچوں کے ابتدائی استاذ ہوتے ہیں اس لیے ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو آداب زندگی سکھائیں، انہیں تمیز دار بنائیں، آنحضرت ﷺ نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کرے، درحقیقت والدین کا کردار بچوں کے لیے اہمیت کا حامل ہوتا ہے ہر بچے کی نظر میں اس کی ماں اور اس کا باپ مثالی ہوتا ہے، اگر والدین بچوں کی اچھی تربیت نہیں کریں گے اور نظر انداز کریں گے تو وہ اس کوتاہی میں قصوروار ہوں گے لہذا بچوں کو اوائل عمر ہی سے بہتر تربیت دی جائے کیونکہ بچے کا ذہن سلیٹ کے مانند ہوتا ہے جس پر جو بھی تحریر کردیا جائے وہ اسے اپنی زندگی کے آخری ایام تک یاد رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کہلواؤ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کی تلقین کرو۔ (مشکوٰۃ)

بڑا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے)

اولاد کے لیے ماں باپ کا بہترین تحفہ

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسنِ ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام

کرواور(اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کوحسن ادب سے آراستہ کرو۔

ذیل میں اولاد کی تربیت کے حوالے سے ناصح الامت حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنیؒ کی ایک تحریر کا خلاصہ پیش کرر ہے ہیں جوحضرت والا نے بڑے دکھے دل کے ساتھ لکھی ہے' جووالدین کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔فرمایا:

بہت سے لوگوں کواولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں' اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اوراولاد گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرتی ہے' بچوں کے لیے پیٹ کی روٹی اورتن کے کپڑوں کا توانتظام کر دیتے ہیں لیکن ان کی باطنی پرورش یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ نے ان کا ناس کھو یا تھا' انہیں پتہ نہیں کہ تربیت کیا چیز ہےاور بچوں کوکیا سکھائیں اورکیا سمجھائیں؟ اس عظیم غفلت میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جوخودتو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق وآداب سے بھی واقف ہیں لیکن ملازمت یا تجارت میں اس طرح اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے ان کے پاس گویا وقت نہیں' حالانکہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لیے ہوتی ہے جب زیادہ کمانے کی وجہ سے خود اولاد ہی کے اعمال واخلاق کا خون ہوجائے تو ایسا کمانا کس کام کا؟ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اچھا خاصا علم رکھتے ہیں' مصلح بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں' دنیا بھر کے لوگوں کوراہ دکھاتے ہیں' سفر پرسفر کرتے رہتے ہیں' کبھی یہاں وعظ' کبھی وہاں تقریر' کبھی کوئی رسالہ لکھا' کبھی کوئی کتاب تالیف کی' لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل ہیں' حالانکہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔اولاد کی جانب سے جب چندسال غفلت برت لیتے ہیں اوران کی عمر دس بارہ سال ہوجاتی ہے تو اب ان کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

دوحدیثوں کا ترجمہ پڑھیے:

(۱) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچوں کوادب سکھائے تو بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (ترمذی)

(۲) حضرت عمر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا

کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی' جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

دنیاوی فنون کے ساتھ علمِ دین بھی ضروری ہے:

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں' کیونکہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام دینے والا ہے' بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں مگر ان کی یہ محبت صرف دنیاوی آرام وراحت تک محدود رہتی ہے ان کی اصل ضرورت یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام و راحت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حلال مال جائز طریقے پر کھلانا' پلانا اور پہنانا اچھی بات ہے لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام و سکون ہے۔

اگر دین نہیں ہے تو آخرت کی تباہی ہوگی۔ وہاں کی تباہی کے سامنے دنیا کی ذراسی چٹک مٹک اور چہل پہل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں' یہ علم نہ صرف اولاد کے لیے بلکہ خود ان کے والدین کے لیے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگا۔

عبرت کا مقام

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کر دیتے ہیں یا محنت و مزدوری پر لگا دیتے ہیں انہیں نماز' روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور ان پر عمل کرانے کی فکر نہیں کرتے۔ شادیاں ہو جاتی ہیں' باپ دادا بن جاتے ہیں لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ اس سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ ستر' اسی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے ''لوگ سور ہے ہیں' جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے'' آخرت سے بےفکری کی زندگی گزارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال بال بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے' اگر انہیں آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھلائے پلائے جاؤ' دنیا کا نفع پہنچائے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اس تغافل کو باعث نقصان نہیں سمجھتے لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر

کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ عالم آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش آج کے دن کے لیے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے مگر اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔ (ماخوذ از اصلاحی مضامین)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی طرف بھرپور توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بچوں کی پرورش کرنے اور مہذب بنانے کا دستور العمل

بہشتی زیور کے چوتھے حصہ میں ''اولاد کی پرورش کا طریقہ'' اس کے ذیل میں کچھ ضروری دستور العمل ہے۔ دیکھنے سے اس مقام کا بعینہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

جاننا چاہیے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی۔ اس لیے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں۔ دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں، کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے یہ بری بات ہے۔ اس سے بچہ کا دل بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کے دودھ پلانے کے لیے کھلانے کے لیے وقت مقرر رکھو تاکہ وہ تندرست رہے۔

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو کیونکہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵) اس کا بہت زیادہ بناؤ سنگار نہ کرو۔

(۶) اگر وہ لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے، زیور مت پہناؤ۔ اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں۔

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا، پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو۔ اسی طرح

کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو.....مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو' خود جو چیز انہی کی ہو (یعنی جس کے وہ مالک ہوں) اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں' اس کو بیل سمجھتے ہیں۔

(۱۰) اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں۔ تم ماشاء اللہ مرد ہو' ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی اور بہت تکلف کے کپڑوں کی عادت اس کو مت ڈالو۔

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کیونکہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۳) چلا کر بولنے سے روکو خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو' ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائے گی۔

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں' یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں' ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۱۵) ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتی رہو' غصہ' جھوٹ بولنا' کسی کو دیکھ کر جلنا' یا حرص کرنا' چوری' چغلی' اپنی بات کی پچ کرنا (منوانا) خواہ مخواہ اس کو بنانا' بے فائدہ بہت باتیں کرنا' بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا' دھوکہ دینا' بھلی بری بات کو نہ سوچنا اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے' فوراً اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے تو مناسب سزا دو تاکہ پھر ایسا نہ کرے۔ ایسی باتوں میں دلار پیار بچوں کو کھو دیتا ہے۔

(۱۷) بہت جلدی مت سونے دو۔

(۱۸) جلدی جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جائے تو نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے' پہلے قرآن پڑھواؤ۔

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو۔

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ۔

(۲۳) کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں (قصے) سنایا کرو۔

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شریعت کے خلاف مضمون یا اور بے ہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آ جائے۔

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لیے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تا کہ اس کی طبیعت اکتا نہ جائے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ جھوٹ بولنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتش بازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لیے پیسہ مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشہ دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسہ حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں' اپاہج اور سست نہ ہو جائیں۔ ان سے کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں۔ صبح کو جلدی اٹھ کر تہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔ کپڑوں کی گٹھری اپنے انتظام میں رکھیں۔ پھٹا ہوا خود سی لیا کریں۔ کپڑے خواہ میلے ہوں یا صاف ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے' چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔ دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے' سینے پرونے' کپڑے رنگنے' کوئی چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس کو غور سے دیکھا کرو کہ کیسے ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباشی دو' پیار کرو' بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے۔ اور جب اس کی بری بات دیکھو تو تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری

بات ہے۔ دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ اور جس جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا' خبر دار پھر آئندہ مت کرنا۔ اچھے لڑکے ایسا نہیں کرتے اور اگر پھر وہی کرے تو مناسب سزا دو۔

(۳۵) ماں کو چاہیے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶) بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو' کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی کام ہو۔ جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے سو اگر وہ برا ہے تو اس کو چھڑاؤ۔ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیے۔

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کرو جس سے صحت اور ہمت رہے' سستی نہ آنے پائے' مثلاً لڑکوں کے لیے ڈنڈ کرنا (ہلکی ورزش کرنا) ایک آدھ میل چلنا (یا دوڑنا) اور لڑکیوں کے لیے چکی یا چرخہ چلانا ضروری ہے۔

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے' نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹) اس کو عاجزی' انکساری اختیار کرنے کی عادت ڈالو۔ زبان سے' چال سے' برتاؤ سے' شیخی نہ بگھارنے پائے۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم و دوات و تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۴۰) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسہ دے دیا کرو تاکہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے' مگر اس کی یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۱) اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔

امید ہے کہ اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کے متعلق یہ مضمون کافی ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق کام انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم اجعلنا ممن یعظم شکرک و یکثر ذکرک ویتبع نصیحتک و یحفظ وصیتک انک سمیع قریب مجیب ٥ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ط وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الرحمین٥

☆☆☆☆☆

اسلام کا نظامِ شخصی

مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی
انجان شہید، اعظم گڑھ، مقیم حال سعودی عرب

آج کی اس دنیا میں سوائے اسلامی شریعت کے کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو، اسلامی شریعت سے مراد اسلام کی وہ محکم اور حکمت سے بھری تعلیمات ہیں جو وحیِ الٰہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ تک اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچی ہیں، ان تعلیمات کو انسانی زندگی کے پانچ اہم اور بنیادی شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرات، اور معاملات۔ معاملات کا ہی ایک حصہ عائلی اور شخصی نظام ہے۔

جب اس دنیا میں نظامِ ملوکیت اور نظامِ جمہوریت کا قیام وجود میں آیا تو نظامِ ملوکیت وجمہوریت کے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے شعبۂ معاملات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پہلے حصہ کا تعلق بلاتفریق ومذہب وملت، ہر خاص وعام سے رکھا جسے آج ہم ریاستی نظام، شہری نظام یا سِول لا (Civil-Law) کہتے ہیں، اس سِول لا کے تحت محکمۂ تجارت، بینکنگ اور مجرموں کی سزائیں وغیرہ آتی ہیں۔ افسوس کہ آج دنیا کے کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک میں مکمل طور ''اسلامک سِول لا'' نافذ نہیں ہے، جیسے حدِ زنا، حدِ قذف، حدِ خمر، حدِ سرقہ، حدِ رہزنی وغیرہ۔ ہمارے ملک ہندوستان میں مختلف قوموں، مذہبوں اور فرقوں کے لوگ آباد ہیں او ملک کا نظام بھی جمہوری ہے، اور پھر پارلمینٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی، آزادی کے بعد سے گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گئی ہے۔ اس لیے یہاں ''اسلامک سِول لا'' کا نافذ ہونا، موجودہ صورتِ میں، تقریباً ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کا مسلمان اس معاملہ میں کبھی کوئی آواز نہیں اٹھاتا۔

معاملات کے دوسرے حصہ کا تعلق پرسنل لا (Personal Law) سے رکھا، جسے آج ہم عائلی اور شخصی نظام کہتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر مذہب کا عائلی اور شخصی نظام مختلف اور جدا ہوتا ہے۔

چنانچہ مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے مابین رہن سہن، شادی بیاہ، خوراک ولباس میں بہت فرق ہے۔ ان سب لوگوں سے الگ مسلمانوں کے پاس، اسلام کا دیا ہوا، اپنا عائلی اور شخصی نظام ہے یعنی: ''مسلم پرسنل لا'' ہے، اس نظام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مکمل طور پر قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور بہت ہی مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ ''مسلم پرسنل لا'' میں جو مسائل آتے ہیں وہ یہ ہیں: نکاح، خلع، طلاق، نفقہ، شفعہ، خوراک، لباس، ہبہ، اوقاف، وراثت وغیرہ۔

''مسلم پرسنل لا'' مسلمانوں کا خود کا بنایا کوئی قانون نہیں ہے کہ اسے جو چاہے اور جب چاہے بدل دے، مثال کے طور پر مسئلہ ءوراثت میں باپ کے مال میں سے بیٹے کا حصہ، بیٹی کے حصہ سے دوگنا ہے، یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے، لہذا دنیا کی پوری طاقت مل کر بھی بیٹا اور بیٹی کا حصہ برابر نہیں کرسکتی، کیوں کہ یہ قانونِ الٰہی ہے، مسلمانوں کا وضع کیا ہوا کوئی قانون نہیں ہے کہ وہ جب چاہیں بدل دیں، مسلمان تو مسلمان خود پیغمبرِ اسلام ﷺ کو بھی احکامِ الٰہی کے بدلنے کا اختیار نہیں تھا۔

یہی حکم ایک طلاق، دو طلاق اور تین طلاق کا ہے کہ ان کے احکام بھی قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہیں اس لیے ان میں بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی طلاق کی ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم پر، کسی حکومت کی جانب سے پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ مشکل ہو اور صلح صفائی سے بھی کام چلنے والا نہ ہو تو وہ دونوں جدا ہو سکتے ہیں، گھر میں ہمیشہ لڑائی، جھگڑا، دنگا، فساد، تو، تو، میں، میں کرنے سے بہتر ہے کہ وہ دونوں اپنی اپنی، الگ الگ راہیں اختیار کرلیں۔ مرد چاہے تو طلاق دے دے اور عورت چاہے تو خلع لے لے، طلاق اور خلع اسی لیے ہیں تاکہ عورت مرد سے اور مرد عورت سے الگ اور جدا ہو جائیں۔ اسلام میں طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دے، اگر شوہر عدت کے اندر رجوع نہیں کرتا تو اس کی بیوی عدت گزرنے کے بعد اس کے رشتہ ءنکاح سے خود بخود نکل جائے گی۔ طلاق میں عورت کے لیے خیر بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس مطلقہ عورت کو پہلے شوہر سے بہتر ایسا شوہر عطا کردیں جو اس سے خوب محبت بھی کرے اور اس کے آرام وراحت کا خیال بھی رکھے۔ اللہ کا ارشاد ہے، ترجمہ: ''اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے پروا کردیں گے اور اللہ وسعت والے (اور) حکمت والے ہیں''۔ (سورہ نساء: ۱۳۰)

بقیہ صفحہ 20 پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک المناک ودلدوز سانحہ

برادرعزیز سعید الحق ومحمد دانش کی شہادت

ضیاء الحق خیرآبادی

بقرعید کا دوسرا دن ہے یعنی ذی الحجہ (۱۴۳۷ھ) کی گیارہویں اور (ستمبر ۲۰۱۶ء) کی چودہویں تاریخ، بدھ کا دن! فجر کی نماز پڑھ کر معمول کے مطابق تفریح کے لئے چلا گیا، واپسی میں کچھ مہمان ساتھ تھے، ان کو چائے وغیرہ پلانے لگا، قربانی کی تیاریاں ہورہی تھیں، مہمانوں کو رخصت کرکے گھر سے نکلا کہ قربان گاہ میں چلوں، باہر صحن میں گھر کے لوگ کچھ اس انداز میں باتیں کررہے تھے جیسے کوئی واقعہ ہوگیا ہو، اتنا معلوم ہوا کہ عم مکرم مولانا حافظ عبدالحی صاحب مدظلہٗ کے صاحبزادے برادرم سعید الحق جو ریاض میں رہتے ہیں عمرہ کے لئے جارہے تھے ایکسڈنٹ میں شدید زخمی ہوکر آئی سی او میں داخل ہیں، مزید تفصیلات کے لئے لوگ سعودی عرب دیگر اعزا کو فون کررہے تھے لیکن کوئی اطمینان بخش خبر نہیں مل رہی تھی، اسی امید وبیم کی کیفیت میں ایک گھنٹہ گزر گیا، اس کے بعد جو خبر ملی اس نے میرے، اہل خاندان اور دیگر متعلقین کے پورے وجود پر لرزہ طاری کردیا، دل دہل کررہ گئے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، معلوم ہوا کہ اس حادثہ میں سعید الحق اور اس کے ماموں زاد بھائی (ہمارے دیار کے معروف عالم دین مولانا عبدالرب صاحب اعظمی کے بھتیجے) محمد دانش بن محمد منور (جہانا گنج) موقع ہی پر شہید ہوگئے۔ لاکھ ضبط کے باوجود آنکھوں کو یارائے ضبط نہ رہا اور زبان پر **اناللہ** کی رَبانی تسلی کا ورد جاری ہوگیا۔ چچا چچی، مرحوم کی بیوہ، بچے اور دیگر اہل خانہ کا جو حال اس وقت تھا، اب بھی سوچتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا، بس اللہ ہی کی ذات صبر دینے والی اور سنبھالنے والی ہے ورنہ صدمے کی شدت سے انسان نہ جانے کیا کیا کر بیٹھے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ جانے والے کا وقت پورا ہوچکا تھا، بس ہمیں وہ وقت معلوم نہ تھا اسی وجہ سے یہ ہمارے لئے بالکل اچانک حادثہ تھا جس نے ہمیں نڈھال

وبیم جاں بنا دیا، اس وقت یہی اسلامی تعلیمات پیش نظر تھیں جس نے دل کو قابو میں رکھا، اور صبر کی توفیق ملی، انشاءاللہ اس پر وہ بے حساب اجر بھی ملے گا جس کا قرآن وحدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔

مرحوم اور ان کے ماموں زاد بھائی محمد دانش نے قابل رشک موت پائی، وہ عمرہ کے مقدس سفر کے لئے نکلے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کی دولت سے نوازا، اور شہادت بھی دو وجہ سے! حدیث نبوی ہے کہ **موتُ غربةٍ شهادة**، غریب الوطنی اور مسافرت کی موت شہادت ہے، دونوں کو یہ شہادت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **إن الرجل إذا مات بغير مولده قيس له من مولده إلىٰ منقطع اثره في الجنة**۔ جب انسان کی موت گھر سے دور ہوتی ہے تو گھر سے لے کر اس جگہ تک کی زمین ناپ لی جاتی ہے اور اس کی شایانِ شان جنت کا اجر عطا ہوتا ہے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **صاحبُ الهدمِ شهيدٌ**، دب کر مرجانے والا شہید ہے۔ دونوں بھائیوں میں شہادت کی دونوں جہتیں جمع ہیں، اللہ کی کریم ذات سے امید ہے کہ وہ اپنی اس بیکسی کی موت کا صلہ پا کر خوش ہو چکے ہوں گے، اور اعلیٰ علیین میں آسودہ ومطمئن ہوں گے۔

برادر مرحوم کی ایک بہت بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ انھوں نے ایسے باپ کا سایہ پایا تھا جنھوں نے اپنی عمر عزیز کے تقریباً پچاس سال اللہ کے دین کی خدمت اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت میں صرف کئے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد کی ایک بڑی تعداد ملک وبیرون ملک میں پھیلی ہوئی ہے اور نہ جانے کتنے علماء وصلحاء سے ان کے روابط وتعلقات ہیں، اس حادثہ کے موقع پر دیکھا کہ سیکڑوں ہزاروں علماء وحفاظ تعزیت کے لئے آئے اور جو نہ آسکے انھوں نے فون اور خط کے ذریعہ تعزیت کی اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا، جو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بن رہا ہے۔

قانونی کاروائی کے مکمل ہونے پر حادثہ کے ایک ہفتہ کے بعد ریاض میں تدفین ہوئی، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائیں، اور ہم تمام پس ماندگان کو بالخصوص عم مکرم مولانا حافظ عبدالحی صاحب مدظلہ کو۔۔۔۔۔ جنھیں عمر کے اس حصے میں ایسا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔۔۔۔۔ صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین

تمام قارئین سے التجا ہے کہ مرحومین کے لئے مغفرت وبلندئ درجات کی دعا فرمائیں۔

مجلّہ سہ ماہی

رشد وہدایت

۲

جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی



مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۲ | ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء) | شمارہ نمبر:۲

زیر نگرانی: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

از: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

دارالعلوم تحفیظ القرآن کا پہلا جلسۂ دستار بندی ۷؍ مارچ ۲۰۱۷ء بروز منگل بعد نماز عشاء، حضرت مولانا محمد راشد صاحب قاسمی خیرآبادی استاذ حدیث جامعہ مطلع العلوم بنارس کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بحمد اللہ دارالعلوم کا یہ پہلا اجلاس ہر اعتبار سے انتہائی کامیاب اور تاریخ ساز تھا کہ پہلی بار سکٹھی مبارکپور کی سرزمین پر کسی جلسے کی مناسبت سے اتنا بڑا عوامی مجمع ہوا، اور مختلف مدارس کے نظماء وصدور اور علما اتنی کثرت سے تشریف لائے۔ سکٹھی جو مبارکپور سے متصل ایک گرام پنچایت ہے اور عملی طور پر مبارکپور کا ایک محلّہ بن چکا ہے، اس نے شاید اپنی تاریخ میں پہلی بار ۴۰؍ سے زائد علماء حق اور صلحاء امت کے قدوم میمنت لزوم سے اپنے وجود کو فیض بخشا اور ۳۰؍ حفاظ طلبہ کے سروں پر دستار بندی کا روح پرور منظر دیکھا ہوگا۔ کسی کے تصور وخیال میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر ایک پچیس سالہ نوجوان فاضل کے عزم وحوصلہ سے اللہ تعالیٰ وہ کام لیں گے جو جہاں دیدہ اور بلند مراتب افراد بھی نہ کرسکے۔ بانی دارالعلوم تحفیظ القرآن مولانا عبد العظیم قاسمی نے نامساعد حالات اور اپنے ہی خاندان کے سرپرستوں کی بے رغبتی اور بے توجہی کے باوجود محض اللہ کی رضا اور علوم دینیہ کی اشاعت وحفاظت کے جذبۂ صادق سے ۲۰۰۹ء (۱۴۳۰ھ) میں تحفیظ القرآن کے نام سے ایک مکتب کا آغاز کیا تھا۔ ممبئی کی اپنی اچھی خاصی پرائیوٹ ملازمت کو ترک کرکے نونہالان ملت کے سینوں کو حفظ قرآن کی دولت لازوال سے معمور کرنے کے لیے، تدریسی کام اپنی آبائی مسجد میں شروع کیا، رات دن کی محنت اور تگ ودو سے دو تین سال کے اندر کئی اساتذہ کرام کی خدمات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وسیع وعریض قطعۂ اراضی کا نظم کیا، پھر اسی پر دو منزلہ شاندار درس گاہ تعمیر کرائی، ۳۵؍ سال سے نامکمل بڑی جامع مسجد ''دارالسلام'' کی تکمیل کراکے پنجوقتہ نماز شروع کرائی، اور عنقریب جمعہ کا بھی آغاز ہوجائے گا، مکتب کے پرانے درجات کے علاوہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے نام سے نسواں مدرسہ شروع کیا، جس میں عربی دوم تک تعلیم کا بندوبست بھی ہوگیا، مزید

برآں شعبۂ تحفیظ القرآن کے تین درجات قائم کئے اور فارسی وعربی دوم تک باضابطہ تعلیم جاری ہوئی۔

دارالاقامہ میں مبارکپور و سکٹھی کے علاوہ بیرونی طلبہ کی اچھی خاصی تعداد اور اساتذہ وملازمین کا ۳۵؍افراد پر مشتمل اسٹاف، زمین کی خریداری یہ سب حیرت انگیز کارنامے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان فاضل بندے سے محض سات آٹھ سال کی قلیل مدت میں کرواکر، اپنی نصرت واعانت کا منظر اس دستار بندی کے عظیم الشان اجلاس میں ہزاروں افراد کو دکھایا۔

سات سال میں دارالعلوم تحفیظ القرآن کے شعبہ حفظ وقراءت سے فارغ یوپی وبہار اور دیگر صوبہ جات کے ۳۰؍حفاظ کی دستار بندی کا اجلاس اس مختصر وضاحت کے بعد، یقینی طور پر حیرت انگیز، تاریخ ساز اور مثالی تھا۔ خطیب اجلاس حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسجد صاحب مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ امدادیہ مرادآباد کے ولولہ انگیز خطاب کے علاوہ، جامعہ اسلامیہ مظفرپور ضلع اعظم گڑھ کے استاذ حدیث اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی ریسرچ سینٹر کے ذمہ دار مولانا سید جاوید احمد ندوی نے بھی اپنی تقریر میں فراخدلی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا اور قرآن کی عظمت وفضیلت پر بلیغ اسلوب میں اصولی باتیں عوام وخواص کو بتائیں۔ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کے ناظم اعلیٰ مولانا مفتی محمد یاسر صاحب قاسمی نے بھی اپنے مختصر بیان میں حفاظ قرآن کی ذمہ داریوں اور مراتب پر روشنی ڈالی، جب کہ مقرر خصوصی مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی نے اپنے ایک گھنٹے کے پرجوش اور ولولہ انگیز خطاب میں قرآن مجید کے سات بنیادی حقوق پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور دارالعلوم تحفیظ القرآن کے معیار تعلیم کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ مقام مسرت وحیرت ہے کہ مدرسہ ہذا کے ۲؍نوعمر حفاظ عزیزم محمد شارق وعزیزم محمد قاسم نے ایک مجلس میں پورا قرآن مجید سناکر یہ ثابت کردیا کہ جب انداز تعلیم وتربیت میں اخلاص ومحنت کی روح ہوتی ہے تو ایسے ہی باکمال حفاظ تیار ہوتے ہیں اور والدین کی بخشش، اساتذہ کی عظمت اور ادارہ کی شہرت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مذکورہ علماء کرام کے علاوہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے جن علماء کرام وبزرگان ملت نے اجلاس کو زینت بخشی اور منتظمین کا حوصلہ بڑھایا، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

حضرت مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی استاذ تفسیر وفقہ جامعہ حسینیہ جون پور

حضرت مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء ضلع اعظم گڑھ

حضرت مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی خیرآبادی استاذ حدیث جامعہ مطلع العلوم بنارس

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب صدر مفتی جامعہ عزیزیہ سہریاواں نظام آباد
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب ندوی استاذ وسابق صدر مدرس جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا مفتی جاوید اختر صاحب خیر آبادی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا ابرار احمد صاحب بھیروی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ولید پوری استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت قاری وسیم احمد صاحب خیر آبادی صدر شعبہ حفظ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم برئی پور محمد آباد
حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب قاسمی ناظم جامعہ رحمانیہ ولید پور
حضرت مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی ناظم مدرسۃ البنات جین پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا فرحت افتخار صاحب قاسمی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا محمد احمد صاحب سکندر نوادوی استاذ جامعہ تعلیم الاسلام شہر اعظم گڑھ
حضرت مولانا محمد ارشد صاحب اعظمی صدر مدرس جامعہ تعلیم الاسلام شہر اعظم گڑھ
حضرت مولانا مفتی عبدالباسط صاحب الہ آبادی صدر مدرس مدرسہ دارالقرآن سون بزرگ اعظم گڑھ
مولانا شمیم احمد صاحب سکھٹی (مقیم حال امریکہ)
مولانا ڈاکٹر شمشاد احمد صاحب قاسمی، بندرا بازار
جناب نسیم احمد صاحب سکھٹی (مقیم حال مکہ مکرمہ)
جناب محمد شعیب صاحب اعظم گڈھ

☆☆☆☆☆

اداریہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

(۱)

بھارتیہ جنتا پارٹی کی شبیہ ایک مسلم مخالف سیاسی پارٹی کی ہے، کیونکہ یہ آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیم کی سیاسی شاخ کے طور پر وجود میں آئی ہے، جن سنگھ سے بھارتیہ جنتا پارٹی بننے کے طویل وقفہ میں اس نے اپنی سیاست کو مسلم مخالفت کے اصول پر جاری رکھا ہے، اس لئے مسلمانوں نے ہمیشہ بی جے پی کو شک وشبہ اور تشویش کی نظر سے دیکھا ہے اور اس کے اقتدار کو اپنے لئے خطرہ کی گھنٹی سمجھا ہے ۲۰۱۴ء میں بی جے پی جب اکثریت کے ساتھ مرکز میں آئی تو اس کے لیڈران نے یکساں سول کوڈ، تین طلاق، لوجہاد اور گاؤکشی وغیرہ جیسے موضوعات پر زہریلا بیان دینا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے مسلم دہشت گردی کو میڈیا کے سہارے اس قدر اچھالا گیا کہ ہندو اکثریت کے نزدیک ہندوستانی مسلمانوں کی شبیہ ’’ہندستان مخالف اقلیت‘‘ کی تصویر بن کر رہ گئی۔ وہ تو راجیہ سبھا میں بی جے پی کے ممبران اتنے کم تھے کہ آسانی سے کوئی مسلم مخالف قانون نہیں بن سکتا تھا۔

اب جبکہ حالیہ صوبائی الیکشن میں اتر پردیش کو بی جے پی نے فتح کر لیا ہے اور چار سو تین میں سے تین سو پچیس سیٹوں پر قبضہ کر کے تاریخ ساز کامیابی حاصل کر چکی ہے تو قانون سازی کی رکاوٹیں بھی ختم ہو گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے باشعور طبقہ میں ایک قسم کا اندیشہ بلکہ خوف پایا جا رہا ہے کہ اب نہ جانے آئندہ کیا ہوگا۔ سیاست میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے، اور کبھی خلاف توقع نتائج سب کو حیران کر دیتے ہیں، کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ بی جے پی ایسی زبردست کامیابی حاصل کر لے گی، اسی لئے بہت سی زبانوں پر یہ بات آ رہی ہے کہ ووٹنگ مشینوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے، اور اس معاملے کو سپریم کورٹ میں لے جانے کی تیاری چل رہی ہے۔

اس الیکشن میں مسلمانوں نے حسب سابق سماجوادی اور بہوجن سماج پارٹی کو ووٹ دیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ متحد ہوکر کسی ایک کو ووٹ نہیں دیا، اور یہ ہے بھی انتہائی دشوار بات! اس لئے اس پر مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرانے سے زیادہ سیکولر پارٹیوں کا احتساب ضروری ہے جو بہار کے طرز پر کوئی متحدہ محاذ نہیں بنا سکیں، کیونکہ ہر ایک پارٹی یہی محسوس کررہی تھی کہ نوٹ بندی کا درد عوام کو خصوصاً ان کے روایتی ووٹروں کو ان کے ساتھ باندھے رکھے گا اور وہ مسلمانوں کے اضافی ووٹ سے جیت جائیں گی، لیکن موجودہ نتائج نے سب کے پاؤں تلے زمین کھسکا دی ہے، اقتدار کی سیاست اور ملک کے مفاد کی سیاست میں یہی فرق ہوتا ہے، اگر ملک کا مفاد عزیز ہوتا تو ضرور یہ سر جوڑ کر کوئی مشترکہ لائحہ عمل تیار کرتیں۔

آئندہ یہ پارٹیاں کیا کریں گی، کون سی حکمت عملی تیار کریں گی یہ تو وہی جانیں، لیکن اصل مسئلہ تو مسلمانوں کے لئے پیدا ہوگیا ہے کہ صوبائی حکومت کا رویہ ان کے ساتھ کیا ہوگا، سلاٹر ہاوس پر پابندی لگا کر اس حکومت نے اس کے اشارے بھی دیدیئے ہیں۔ بی جے پی نے یہ الیکشن ہندو بنام مسلم کے نام پر لڑا ہے، اور مذہب کے نام پر اکثریت کے ہر طبقہ کو اپنے سے قریب کیا ہے، حتیٰ کہ بسپا کا دلت ووٹ بھی بی جے پی کی جھولی میں گیا ہے، پچاسی ریزروسیٹوں میں پچھتر پر بی جے پی کی کامیابی اور اور صرف دو پر بسپا کی کامیابی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے، اسی طرح سماجوادی کا یادو ووٹ بھی بھاجپا کی گود میں چلا گیا، حالانکہ انھیں بخوبی اندازہ ہے کہ بھاجپا اور آر ایس ایس اونچی ذات کے ہندوؤں کی پارٹی ہے، اور دلت، یادو، کرمی سب ان کے نزدیک نیچی ذات کے ہیں، لیکن مسلمانوں کی نفرت میں یہ سب اس کے شانہ بشانہ ہیں۔

یہ تو ان احوال کا بیان ہے جو پیش آچکے ہیں، سوال اب یہ ہے مسلمانوں کو کیا کرنا ہے؟ مادی اور سیاسی اعتبار سے ان کی راہیں مسدود نظر آرہی ہیں، ہزار یقین دہانیوں کے باوجود موجودہ حکومت اپنی مسلم مخالف پالیسیوں سے باز آنے والی نہیں ہے، ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' تو محض ایک نعرہ ہے، اصل مقصد تو ہندو راشٹریہ کی تشکیل ہے جس کے لئے آر ایس ایس لگاتار پچانوے سال سے محنت کررہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نے ہندو اکثریت کو بھگوا رنگ میں رنگ دیا ہے، ہر شعبہ میں آر ایس ایس کے ورکر داخل ہوچکے ہیں، سیکولر مزاج کے ہندو دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، اور ان کی نئی نسل پوری طرح آر ایس ایس سے متاثر ہے۔

اس کے برعکس تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کو جن حالات سے سابقہ پڑا اس کے پیش نظر دور اندیشی، فراست اور ایمانی بصیرت کا تقاضا تھا کہ سب سے زیادہ اپنے اسلامی اتحاد اور تشخص کو باقی رکھنے پر محنت کی جاتی، اپنے مسلکی اور فروعی اختلافات کو پس پشت رکھ کر باہر کی دنیا میں ملت واحدہ کی حیثیت سے اپنی شناخت کو باقی رکھنے پر توجہ دی جاتی، اس حقیقت کو ہر طبقے اور ہر مکتبۂ فکر کے علماء اور قائدین جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی بقا اور ان کے تحفظ کی اصل ضمانت ان کے ملی اتحاد میں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا سب سے بڑا ایشو یہی باہمی اختلافات رہے، جبکہ دوسری طرف آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں ہندو بچوں پر توجہ دیتی رہیں اور ششو مندر کے نام سے نرسری اسکولوں کا جال بچھا دیا اور اسی کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی کے طلباء پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی، اور ایک منصوبہ بند اور منظّم پلان کے تحت ان بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کے خلاف زہر بھرنے کا کام شروع کیا، جس کے برگ وبار اب ہمارے سامنے ہیں، اس محنت کے نتیجے میں آج پوری تین ایسی نسل وجود میں آ گئی جو بالکل بھگوا رنگ میں رنگی ہوئی ہے، آج اسی نسل نے ووٹر بن کر بھاجپا کو اقتدار تک پہونچایا ہے۔

مسلمانوں کے زوال وادبار کی یہ داستان کوئی نئی چیز نہیں ہے، لیکن یہ داستان جہاں جہاں بھی شروع ہوئی، اس میں کلیدی اور بنیادی عوامل یہ تین رہے ہیں، جن کی وجہ سے اللہ نے غیروں کو ہمارے اوپر مسلط کیا :

(۱) مسلکی جھگڑے، مناظرے، مباحثے اور ایک دوسرے کا رد

(۲) لذت کوشی، خود نمائی اور جاہ طلبی

(۳) صبر واستقامت کا دامن چھوڑ دینا، جذباتیت اور علاقائیت

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سقوط بغداد کا سبب مسلکی مناظرے اور مباحثے ہی بنے، شیعہ سنی جھگڑوں نے خلافت عباسیہ کی چولیں ہلا ڈالیں، آخر کار ایک وزیر علقمی نے ہلاکو خاں کو بغداد آنے کی دعوت دی، پھر جو ہوا دنیا جانتی ہے۔

اندلس کی بربادی کا سبب عیش وعشرت اور لذت کوشی تھی، یہی چیز سلطنت مغلیہ کو بھی لے ڈوبی، محمد شاہ کا یہ جملہ جو نادر شاہ کے حملہ کی خبر پا کر اس نے کہا تھا تاریخ کا حصہ بن چکا ہے ''ہنوز دلی دور است''

سلطنت عثمانیہ کے بکھرنے میں جذباتیت اور علاقائیت کا دخل نمایاں ہے، عربوں کے

جذبات کو انگریزوں نے ابھارا کہ تم عرب ہو کر ترکوں کے ماتحت ہو، تمہارا اپنا علاقہ اور وطن سب سے افضل ہے، تم اعلیٰ و برتر قوم ہو، لہٰذا جو عرب **نحن المسلمون** پر فخر کرتے تھے وہ **نحن العرب** کا نعرہ لگانے لگے، علاقائیت اور وطنیت کی یہ لَے ایک زمانہ میں اتنی تیز ہوئی ناصر کے عہد حکومت میں مصری اپنے آپ کو فخر سے **نحن ابناء الفراعنة** (یعنی ہم فرعونوں کی اولاد ہیں) کہتے تھے۔

آج یہی حال ہندوستانی مسلمانوں کا بھی ہے، ان میں مسلکی اختلافات بھی عروج پر ہیں، علاقائیت اور ذات برادری کا مرض بھی روز افزوں ہے، جذباتیت تو ان کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ثابت قدمی اور صبر واستقلال کے ساتھ کوئی کام نہیں کر پاتے، اور ان کی جو صورتحال ہے وہ آئندہ کیلئے بھی کوئی امید افزا نہیں ہے۔ موجودہ احساس اور خوف بھی چند روزہ ہے، کچھ وقت نہیں گزرے گا کہ پھر وہی بے فکری، ناعاقبت اندیشی، مسلکی جلسے، ایک دوسرے پر الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، جبکہ ہر آنے والا وقت ان کے حق میں پہلے کے مقابلہ میں بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

اس کا علاج کیا ہے، اس سلسلے میں مَیں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر پیش کر کے اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، واضح رہے کہ یہ تحریر آج سے سترہ سال قبل لکھی گئی تھی لیکن محسوس ہو رہا ہے ابھی کل ہی لکھی گئی ہو، اللہ مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے:

> آج اس ملک میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً جو گورنمنٹ کا کردار اور طرزِ عمل ظاہر ہو رہا ہے، مسلمانوں پر دینی، اقتصادی اور تعلیمی ہر اعتبار سے حلقہ کیا جا رہا ہے، ہم یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں، دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ بہت بری ہے، اس کے عزائم خطرناک ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ ملک کی اور صوبہ یوپی کی موجودہ حکومت نہایت منحوس اور بے برکت ہے، اس حکومت کے آنے کے بعد سے ملک کو مسلسل زمینی وآسمانی آفات ومصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کبھی قحط ہے، کبھی سیلاب ہے، کبھی زلزلہ ہے، کہیں آگ لگتی ہے، تو کہیں طوفان آتا ہے، پھر اخبارات میں، جلسوں میں، تقریروں میں، کانفرنسوں میں حکومت کے خلاف بہت لکھا جاتا ہے، بہت کچھ اسے برا بھلا کہا جاتا ہے، تجویزیں پاس ہوتی ہیں، نعرے لگتے ہیں، اہل حکومت کو عرضداشتیں پیش کی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اکثر تو ایسا ہی دیکھنے میں آیا کہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے کچھ اور سنگین بن گیا۔
>
> یہاں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جو لوگ مصائب وآفات کا شکار ہو رہے ہیں وہ اپنی اندرونی طاقت کا بھی جائزہ لیں، کہیں خود ان کی اپنی کمزوریاں تو نہیں ہیں جن کی وجہ سے شکاریوں کو حوصلہ ملا ہے کہ جیسے چاہیں مار لیں، کہیں ایسا تو نہیں، حکومت کے جس ظلم و بے انصافی کے خلاف لوگ نعرے

لگا رہے ہیں اسی طرح کے ظلم اور بے انصافیوں کا جنون خود ان کے اندر بھی پھیلا ہوا ہو، وہ ہمارے دین و مذہب پر باہر سے حملہ انداز ہوں، لیکن ہم خود اپنے اپنے طور پر دین و مذہب کے احکام سے منحرف ہوتے جا رہے ہوں، حکومت ہمارے مدارس اور مساجد کو نشانہ بنا رہی ہے، لیکن دیکھیں تو سہی خود اہل مساجد اور اہل مدارس کا، مساجد کے ساتھ، نمازوں کے ساتھ، مساجد کے انتظام کے ساتھ، مدارس کے ساتھ، تعلیم کے ساتھ، طلبہ کے ساتھ، اساتذہ کے ساتھ، باہم کیسا معاملہ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں یہیں کمزوری ہو، یہیں بیماری ہو، یہیں پر کوئی مہلک مرض ہو، جس کا سہارا پا کر باہری دشمن حملہ کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

آیئے اس سوال کو ہم اپنے ہادی ورہبر، پیشوائے اعظم، سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جناب میں پیش کریں اور جو جواب وہاں سے ملے وہ ہمارے حرزِ جان ہونا چاہئے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

إن الله تعالیٰ يقول: أنا الله لا إلٰه إلا أنا أنا مالک الملوک وملک الملوک، قلوب الملوک فی يدی وإن العباد إذا أطاعونی حوّلت قلوب ملوکهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصونی حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا أنفسکم بالذکر والتضرع کی أکفيکم ملوککم (رواه ابونعيم فی الحلية)[مشکوٰۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت و مہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے برا بھلا کہنے اور ان پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت و کفایت کروں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ظلم و جبر کے مقابلے میں ظاہری تدابیر سے جو حد جواز میں ہوں، منع نہیں کرتا۔ دنیا میں اسباب کا سلسلہ مقاصد و نتائج کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن یہ اسباب دوہرے ہیں، انسان کو خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب پر توجہ زیادہ کرنی چاہئے، ہم حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف دم خم دکھائیں، مظاہرہ کریں، تجویزیں پاس کریں، اپنی یکجہتی اور اتحاد کا منظر پیش

کریں، سب بجا، لیکن اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ اہتمام اس بات کا کریں کہ جس کمزوری کو پاکر حکومت ہمارے دین وملت پر حملہ آور ہے، اس کمزوری کو ہم دفع کریں، شریعت کو اوراحکام اسلام کو پہلے ہم اپنی ذات پر، اپنے خاندان پر، اپنے معاشرہ پر نافذ کریں، چاہے وہ ہمارے نفس، ہمارے اغراض اور ہمارے ظاہری مفاد کے کتنا ہی خلاف ہو۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں، اور اللہ کی رضا سب جانتے ہیں کہ نفس اور خواہش نفس کی پیروی کرنے میں نہیں ہے، وہ اس خدائی ہدایت کی پیروی کرنے میں ہے جس کو دے کر آخری ہادی (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

یہ دوطرفہ کوشش ومحنت ہی ہم کو کامیاب کرے گی، یک طرفہ محنت، جس میں اپنے نفس کو اور اپنے اغراض ومقاصد کو ہاتھ نہ لگانا پڑے، وہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، اس صورت میں فساد کا ایک سوراخ بند ہوگا، تو دوسرے دس سوراخ کھلیں گے، کیونکہ سوراخ پیدا کرنے والا مادہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔

یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، اور انتشار نہ پیدا کریں، تب اللہ کی رحمت وعنایت متوجہ ہوگی۔ (حدیث درد دل، ص:۱۷۹)

☆☆☆☆☆

(۲)

یادِ رفتگاں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک متعین وقت دے کر دنیا میں بھیجا ہے، جسے پورا کر کے ہر انسان اس کے حضور پہونچ جاتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر کسی کو بھی رنج نہیں ہوتا، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر کچھ لوگ رنج وغم محسوس کرتے ہیں۔ بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی رحلت پر ایک عالم اشکبار ہوجاتا ہے، جن کے جانے کی کسک ہر دل محسوس کرتا ہے، گزشتہ چند ماہ کے اندر اسی شان کی کئی ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں جن کا صدمہ ایک عرصہ تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔

☆ ان میں ایک استاذی واستاذ العلماء، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نوراللہ ضریحہ کی ذات گرامی ہے، ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء جمعہ کا دن گزار کر عشاء کے وقت ایک مختصر علالت کے بعد اپنے ہزاروں تلامذہ ومحبین کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، جس میں ہزاروں علماء وصلحاء نے شرکت کی۔ ان شاء اللہ حضرت مولانا پر تفصیلی

مضمون اگلے شمارہ میں آئے گا۔

☆ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات پر ابھی دو ہی ہفتہ گزرا تھا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایک اور جلیل القدر شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل محدث جلیل استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب بانی جامعہ فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس پاکستان نے ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء اتوار کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا موصوف ۲۵؍دسمبر ۱۹۲۶ء کو ضلع مظفرنگر کے ایک قصبہ حسن پور لوہاری میں پیدا ہوئے، آپ کا آبائی تعلق پاکستان کے آزاد قبائلی علاقے خیبر ایجنسی سے تھا۔ ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، آٹھ سال تک مفتاح العلوم جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خاں صاحب کے زیر سایہ تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان چلے گئے اور تین سال علامہ شبیر احمد عثمانی کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مفتی محمد شفیع صاحب کی دعوت پر دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے، یہیں پر مفتی محمد تقی عثمانی ومفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہما کو حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہوا، یہاں دس سال تک تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ وعربی ادب کی انتہائی کتابیں پڑھائیں۔ جنوری ۱۹۶۷ء میں شاہ فیصل کالونی کراچی میں اپنا ادارہ جامعہ فاروقیہ کے نام سے قائم کیا، آپ کی مخلصانہ مساعی کی بدولت اس ادارہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور اس وقت پاکستان کے ممتاز اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی تدریسی زندگی ۷۰؍سالوں پر محیط ہے، اس عرصہ میں اللہ ہی جانتا ہے کتنے لوگ اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے ہوں گے۔ ایک بار ۱۹۹۶ء میں اس سیہ کار کو بھی سفر پاکستان کے موقع پر استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے ہمراہ جامعہ فاروقیہ میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا نے جس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا تھا وہ ابھی ذہن ودماغ میں تازہ ہے۔

اخیر زمانے میں آپ کی درسی تقاریر کو مرتب کر کے شائع کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا، صحیح بخاری کی تقریر ''کشف الباری'' کے نام سے اور مشکوٰۃ المصابیح کی تقریر ''نفحات التنقیح'' کے نام سے شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کی خدمات دینیہ کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین

☆ تیسرا حادثہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا عبد

الحفیظ صاحب مکی کا سانحہ ارتحال ہے، آپ اس وقت جنوبی افریقہ کے دورہ پر تھے، اور وہیں مختصر علالت کے بعد ۱۷رجنوری ۲۰۱۷ء منگل کو انتقال ہوگیا، آپ کو سعودی عرب کی شہریت حاصل تھی، چنانچہ لاش سعودی عرب لائی گئی اور ۱۹رجنوری کو مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھ کر بقیع میں اپنے استاذ وشیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے جوار میں دفن کئے گئے۔

☆☆☆☆☆

ادھر چند ماہ قبل مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی کا خاندان مسلسل حوادث کی زد میں رہا اور ایک ماہ کے اندر یکے بعد دیگرے تین اموات ہوئیں، باری تعالیٰ ان کو اور ان کے خاندان کو اپنے حفظ وامان میں رکھیں اور اس ابتلاء وآزمائش پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائیں۔

☆ دسمبر ۲۰۱۶ء کے آخری ہفتہ میں ناظم صاحب کے چچا ڈاکٹر محسن صاحب کی صاحبزادی ولادت کے مرحلہ میں انتقال کر گئیں۔ ☆ اس حادثہ پر ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے بڑے والد اسعد اللہ صاحب ۲۶رجنوری ۲۰۱۷ء کو لکھنؤ میں انتقال فرماگئے، جہاں وہ بسلسلہ علاج ہاسپٹل میں تھے، لاش آبائی وطن سکٹھی لائی گئی اور یہیں تدفین عمل میں آئی۔ ☆ ڈاکٹر عبداللہ صاحب جو ناظم صاحب کے سب سے بڑے والد تھے اور خاندان کے سرپرست بھی، ان پر اپنے چھوٹے بھائی کی وفات کا سخت اثر ہوا، اور اسی صدمے نے ان کو بستر علالت پر ڈال دیا، آخر بھائی کی وفات کے ٹھیک دسویں دن ۴رفروری ۲۰۱۷ء سنیچر کو وہ بھی سب کو چھوڑ کر بھائی کے پاس چلے گئے۔ اسی روز مغرب بعد تدفین عمل میں آئی۔

ان پے در پے صدمات کا جیسا اثر اہل خاندان پر ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ باری تعالیٰ صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ اگلے شمارے میں خود ناظم صاحب اس پر کچھ لکھیں۔

☆☆☆☆☆

پـــــردہ

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

درج ذیل مضمون مشہور صحافی وصاحب طرز ادیب حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی کا ہے، جو پردہ سے متعلق ہے۔ بے پردگی کی لہر تو اسی وقت سے چل رہی ہے جب انگریزوں کے منحوس قدم ہندوستان اور دنیا کے دوسرے خطوں پر پڑے تھے، مگر آج یہ لہر طوفان بن چکی ہے۔ ایسے وقت میں یہ مضمون سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے پردہ کی حکمت کی گرہوں کو ایجاز واختصار کے ساتھ کھولتا ہے۔ یہ مضمون ''صدق جدید'' (شمارہ ۵۱، جلد ۲) مورخہ ۲۷ رنومبر ۱۹۵۳ء کو شائع ہوا تھا۔

اصل موضوع تو بہت وسیع ہے، اور اس کے سارے اطراف وجوانب پر روشنی ڈالنے کے لئے ضرورت ایک پورے رسالے کی ہوگی، تاہم جو پہلو نہایت ضروری بلکہ بنیادی ہیں ان پر گفتگو ایک مختصر مقالے کے اندر بھی ممکن ہے۔ صدق کے بعض پرانے نمبروں میں مذاکرے بھی آ چکے ہیں، بے علم مدیر کے قلم سے بھی اور ذی علم فاضلانِ عصر کے نام سے بھی!

سب سے پہلے تو یہ بات بطور اصل الاصول کے سمجھ لینے کی ہے، کہ شریعت اسلامی ایک مرتب ومکمل نظام کا نام ہے، جس کے سارے اجزاء ایک دوسرے سے مرتبط اور وابستہ ہیں، اور کسی ایک حکم پر بتمام وکمال عمل اسی وقت ہوسکتا ہے اور بہترین نتائج اسی وقت پیدا ہوسکتے ہیں جب ساتھ ساتھ عمل دوسرے احکام پر بھی ہوتا رہے، اور مشین کے سارے پُرزے ایک ساتھ حرکت میں رہیں۔ اگر حالات نے اس کلیت اور ہمہ جہتی کو ناممکن یا دشوار بنادیا ہے تو اوّل تو وہ عمل ہی کسی نہ کسی حد تک ناقص رہے گا، اور پھر اس سے نتیجے بھی خاطر خواہ سو فیصدی نہ نکل سکیں گے۔ پردہ وحجاب کا مسئلہ بھی تعلقاتِ مرد وزن کے دوسرے مسائل سے جدا اور بے تعلق نہیں ہے، اس نظامِ معاشرت کا اہم جز ہے، اور خود یہ نظامِ معاشرت بھی مستقل وقائم بالذات نہیں، یہ بھی عام نظامِ اسلامی کا ایک جزو یا اس کی ایک شاخ ہے۔

تو پردہ کے احکام جو اور جس قدر بھی ہیں ان پر پورا عمل درآمد تو اسی وقت ممکن ہے جب سارا

ماحول اسلامی ہو۔تعلیم اسلامی ہو،تربیت اسلامی ہو،عدالتیں اسلامی ہوں،معاشیت اسلامی ہو،وقس علیٰ ھذا......لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ جب تک ساری فضا اسلامی نہ ہو اس وقت پردہ کے احکام سرے سے معطل رہیں گے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا (البقرۃ:۲۸۶)یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلّف بناتا ہے۔ایک ہمہ گیر خدائی کلیہ ہے،شریعت کے جس جزو پر جس حد تک بھی عمل ممکن ہوگا،قطعی اور بلا تردد ہوتا رہے گا۔قانونِ دیوانی وفوجداری اگر غیر اسلامی ہیں تو اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ اس ملک میں نماز ادا کرنے،روزہ رکھنے میں کسی قسم کا تساہل رَوا رکھا جائے۔

مسئلۂ حجاب کے سلسلہ میں اہم ترین اصول یہ ہے کہ شریعت نے زنا کو ایک بدترین معصیت قرار دیا ہے اور مرد وزن کے زوجی تعلق کو بجز نکاح کے اور کسی صورت میں جائز نہیں رکھا ہے۔زنا کم وبیش دوسری قوموں میں بھی ایک جرم ہے،لیکن دنیا میں اکثر قوانین ایسے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی گنجائش کسی حد تک اس کے لئے رکھی گئی ہے۔بعض ملکوں میں جرمِ زنا کی وہ صورت جس میں جبر واکراہ نہ ہو اور اگر طرفین کی رضامندی سے ہو تو کوئی جرم ہی نہیں،بعض قوموں میں عورت کو قید نکاح میں آنے سے قبل ہر قسم کی آزادیاں حاصل ہیں،بعض امتوں میں ساری پابندیاں صرف کنواریوں اور بن بیاہیوں کے لئے ہیں،شادی کے بعد بدچلنی کوئی جرم ہی نہیں رہ جاتی،کوئی کوئی قانون ایسا بھی ہے جس نے خطاوار صرف عورت کو ٹھہرایا ہے۔غرض دنیا کی اس افراتفری میں صرف شریعت اسلامی ہی ایسی ہے جس نے زناکاری کو ہر حال میں ایک جرم عظیم قرار دیا ہے،کوئی صورت مستثنیٰ نہیں رکھی ہے،مجرم مرد وعورت دونوں کو یکساں ٹھہرایا ہے،اور آخرت میں اس معصیت پر مواخذہ رکھنے کے علاوہ اپنی دُنیوی عدالتوں میں بھی اس کے لئے شدید ترین سزائیں رجم وتازیانہ کی رکھی ہیں،اور ثبوت جرم کے بعد اِجرائے حد کے وقت تاکید کردی ہے کہ ہرگز کوئی رُو رِعایت مجرموں کے ساتھ نہ ہونے پائے۔

پس جب زنا کا ایک بدترین جرم ہونا ذہن نشین ہوگیا تو اب اس کا ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ طبقہ یا دستور جو اس راہ میں آسانی پیدا کردے اور مرد وعورت کو اس منزل سے قریب لانے لگے،ناجائز اور ممنوع ہوگا۔عام اس سے کہ اس کی صراحت کتاب وسنت (یعنی شریعت کے دو اعلیٰ ماخذوں میں)موجود ہو یا نہ ہو۔اس ایک کلیدی نکتہ کے ہاتھ آجانے سے بہت سے سوالات کا حل از

خود نکل آیا اور کتنے ہی جزئیات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی، تاہم شریعت نے جو بشر کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنے کے حق میں حریص ہے چند موٹے موٹے جزئیات کی تصریح بھی کر دی ہے، مثلاً یہ کہ:

(۱) مرد اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

(۲) عورتیں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

(۳) دونوں اپنے تحفظِ ناموس (حفظِ فروج) کا خاص خیال رکھیں۔

(۴) عورتیں اپنی زیب وزینت کی چیزوں کا مردوں پر اظہار نہ ہونے دیں۔

(۵) عورتیں اپنے زیورات کی آواز تک نامحرموں کے کان تک نہ پہونچنے دیں (اور اسی پر قیاس خوشبو کا بھی کیا جائے گا)

(۶) عورتیں اپنے جسم کے بیشتر حصوں کو چھپائے رکھیں۔

(۷) عورتیں اپنے لب ولہجہ اور آواز کی نزاکت سے مردوں کے نفس میں ہیجان کا سبب نہ بنیں۔

(۸) اچھی عورتوں کے لئے موقعِ مدح پر آیا ہے کہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہتی ہیں۔

(۹) اچھی عورتوں کے لئے موقعِ مدح پر فرمایا گیا ہے کہ اپنی چال ڈھال میں اور ہر چیز میں حیا کو مقدم رکھتی ہیں۔

(۱۰) جو لوگ فحش اور گندے تذکرے اور چرچے کرتے رہتے ہیں وہ خود مجرم اور قابل تعزیر ہیں۔

حق کی طلب اگر دل میں موجود ہے، اور ذہن کسی خارجی زہر سے متاثر نہیں ہو چکا ہے تو اتنی ہدایتیں اس کے لئے کافی ہیں اور راستہ بالکل صاف کر دیتی ہیں۔ عورت مرد کا بلا ضرورت میل جول اور خواہ مخواہ یکجائی واختلاط بھی شریعت نے گوارہ نہیں کیا ہے، چہ جائیکہ ایسے مشغلے اور طریقے جو شہوانیت کی آگ بھڑکانے والے اور اس آگ پر تیل کا کام دینے والے ہیں۔ آزادانہ میل جول خصوصاً گانے بجانے کی تقریبوں کے موقع پر بے تکلفی سے ہنسنا بولنا، نیم برہنہ لباس، نیم فحش تصویریں، ہیجانی شعر وشاعری، عشقیہ ناول اور ڈرامے، شہوانی کھیل تماشے یا علوم وفنون، اس قسم کی ساری چیزوں کا حکم ہدایت بالا کی روشنی میں خود بخود نکل آیا، کسی مزید ردوقدح کے بغیر۔

لیکن اسلام بہر حال دینِ فطرت ہی ہے، کوئی شدید دشواری کسی حال میں بھی وہ نہ فرد پر عائد کرتا ہے اور نہ معاشرہ پر، عورت اور مرد دُنیا کے کاروبار میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو کر

کیونکر رہ سکتے ہیں؟ ان کا ایک دوسرے سے کسی حد تک سابقہ پڑتے رہنا تو ناگزیر ہے، اس لئے اس نے یہ حکم ہرگز نہیں دیا ہے کہ مرد وعورت کی یکجائی کسی حال میں اور کسی حد تک بھی نہ ہونے پائے۔ عام قاعدہ اس لئے علیٰحدگی کا بتا کر ضرورتوں کے سارے موقع کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اور جو ضرورت جس درجہ کی اہم اور شدید ہے اسی نسبت سے استثنا کا بھی اطلاق ہوگا۔ نماز جیسی اہم اور مہتم بالشان عبادت میں صفوں میں حتی الامکان علیٰحدگی رہے، اور مسجد میں عورتیں اگر آ جائیں بھی تو سب سے پیچھے صف میں رہیں، اور مردوں کے اٹھنے سے قبل ہی اٹھ جائیں۔ یہ مثال اس عمومی ضابطۂ علیٰحدگی کی ہوئی، لیکن جب جنگ چھڑ جائے اور ہر مرد بطور سپاہی کے بھرتی ہونے لگے تو عورتوں سے متفرق خدمات، مرہم پٹی اور پانی پلانے وغیرہ کی لی جانے لگیں گی، یہ مثال اس استثنائے خصوصی کی ہوئی۔ بے تعصب طالب حق کو اس عام ضابطہ اور اس کے مستثنیات دونوں کو سمجھ لینے میں ان شاء اللہ کوئی دقت نہ ہوگی۔

یہیں سے یہ بھی واضح ہوگا کہ کتاب وسنت میں دوسرے اہم مسائل کی طرح اس اہم مسئلہ کے اصول وکلیات پورے اہتمام کاوش وتاکید اور تصریح کے ساتھ بیان کر دیئے گئے، باقی یہ کہ فلاں زمانہ اور فلاں ملک میں حجاب کے جزئیات کیا کیا ہونے چاہئیں، تو اس کا انحصار تو تمام تر اس وقت کے مقتضیات اور ماحول کی خصوصیت پر ہے، تمدنی ضرورتیں جس نوعیت اور جس درجہ کی ہوں گی، احکام جزئی ان ہی کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں وضع ہوتے رہیں گے۔ قرآن مجید جو ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے ہے کیونکر ممکن تھا کہ ہر ہر ملک اور زمانہ کے لئے وہ بے شمار جزئیات کو اپنے اندر جمع کر دیتا، اگر ایسا ممکن ہوتا تو فقہ حنفی جیسے وسیع اور عظیم الشان فن کا آج وجود بھی نہ ہوتا، اور ان جزئیات در جزئیات کو متعین کرنا کسی فرد واحد کا کام نہیں، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ملک کے اہل علم جو ایک طرف تقویٰ وتدین سے آراستہ ہوں اور دوسری طرف عصری ضروریات سے بھی پوری طرح باخبر ہوں اور مزاجِ ملت کے نبض شناس ہوں، کسی جگہ اکٹھا ہو کر مسئلہ کے سارے اطراف وجوانب پر نظر کر کے کوئی متفقہ لائحۂ عمل پیش کریں۔ دیارِ فرنگ سے آئی اندھا دھند آزادی جس کے شر وفساد سے خود اہل فرنگ بلبلا اٹھے ہیں، جس طرح وہ شریعت اسلامی کے مزاج سے کوئی دور کی مناسبت نہیں رکھتی، اسی طرح ہر قدیم رسم ورواج کو جو ہمارے بزرگوں نے وقت ومقام کی مصلحتوں سے اختیار کیا ہوگا، اس پر شدت سے جمے رہنا اور اس کو کتاب وسنت کا فرمان سمجھنا ہرگز صحیح دینداری نہیں۔

☆☆☆☆☆

اللہ پر توکل (بھروسہ کرنا) انبیاء کرام کا خصوصی شعار

(کیا روزی روٹی کے لیے ہماری جد وجہد کرنا توکل کے خلاف ہے؟)

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض)

(www.najeebqasmi.com)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

اللہ تعالیٰ پر توکل یعنی بھروسہ کرنا انبیاء کرام کے طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے۔ قرآن وحدیث میں توکل علی اللہ کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ صرف قرآن کریم میں سات مرتبہ ’’وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْن‘‘ فرما کر مؤمنوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، یعنی حکم خداوندی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو صرف اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔۔۔

آیئے سب سے قبل توکل کے معنی سمجھیں۔ توکل کے لفظی معنی کسی معاملہ میں کسی ذات پر اعتماد کرنے کے ہیں، یعنی اپنی عاجزی کا اظہار اور دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں توکل کا مطلب: اس یقین کے ساتھ اسباب اختیار کرنا کہ دنیاوی واخروی تمام معاملات میں نفع ونقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا درخت سے نہیں گر سکتا۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے وجود اور بقا کے لیے اللہ کی محتاج ہے۔ غرضیکہ خالق کائنات کی ذات باری پر مکمل اعتماد کرکے دنیاوی اسباب اختیار کرنا توکل علی اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے تو اسے مرض سے شفایابی کے لیے دوا کا استعمال تو کرنا ہے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ جب تک اللہ تعالیٰ شفا نہیں دے گا دوا اثر نہیں کرسکتی۔ یعنی دنیاوی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نظام یہی ہے کہ بندہ دنیاوی اسباب اختیار کرکے کام کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ کرے، یعنی یہ یقین رکھے کہ جب تک حکم خداوندی نہیں ہوگا اسباب اختیار کرنے کے باوجود شفا نہیں مل سکتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ترمذی۔ کتاب صفۃ القیامۃ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل یمن بغیر سازوسامان کے حج کرنے کے لیے آتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرنا شروع کردیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت (سورۃ البقرۃ ۱۹۷) نازل فرمائی: حج کے سفر میں زادِراہ ساتھ لے جایا کرو۔ (صحیح بخاری)

جو بھی اسباب مہیا ہوں انہیں اس یقین کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے کہ کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اپنی طویل بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ سے شفایابی کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے پیر کو زمین پر ماریں۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایک شخص کا زمین پر پیر مارنا اس کی بیسیوں سال کی بیماری کی شفایابی کا علاج ہے؟ نہیں۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم سے یہ کمزور سبب اختیار کیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے زمین پر پیر مارنے سے پانی کا ایسا چشمہ جاری کردیا جس سے غسل کرنے پر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیسیوں سال کی بدن کی متعدد بیماریاں ختم ہوگئیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفصیلات کے لیے سورۃ الانبیاء آیت ۸۳ و ۸۴ اور سورۃ ص آیت ۴۱ سے ۴۴ کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے ہمیں متعدد سبق ملے، دو اہم سبق یہ ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے بھی حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دے سکتے تھے مگر دنیا کے دارالاسباب ہونے کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کچھ حرکت کریں یعنی کم از کم اپنے پیر کو زمین پر ماریں۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ جو بھی اسباب مہیا ہوں ان کو اس یقین کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکم سے کمزور اسباب کے باوجود کسی بڑی سے بڑی چیز کا بھی وجود ہوسکتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے جب اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا تو اُن کے لیے حکم خداوندی ہوا کہ کھجور کے تنے کو ہلائیں یعنی حرکت دیں، اُس سے جب پکی ہوئی تازہ کھجوریں جھڑیں تو ان کو کھائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی سبب کے بھی کھجور کھلا سکتے تھے لیکن دنیا کے دارالاسباب ہونے کی وجہ سے حکم ہوا کہ کھجور کے تنے کو اپنی

طرف ہلاؤ۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام نے حکم خداوندی کی تعمیل میں کھجور کے تنے کو حرکت دی۔ کھجور کا تنا اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ چند طاقت ور مرد حضرات بھی اسے آسانی سے نہیں ہلا سکتے ہیں لیکن صنف نازک نے اس کمزور سبب کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے تازہ کھجوریں یعنی غذا کا انتظام کر دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو بھی اسباب مہیّا ہوں اللہ پر توکل کر کے اُنہیں اختیار کرنا چاہیئے۔

اسباب تو ہمیں اختیار کرنے چاہئیں لیکن ہمارا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہونا چاہیئے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی چیز کو وجود میں لاسکتا ہے اور اسباب کی موجودگی کے باوجود اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا، جلانے کے سارے اسباب موجود تھے مگر حکم خداوندی ہوا کہ آگ حضرت ابراہیم کے لیے سلامتی بن جائے تو آگ نے انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ وہ آگ جو دوسروں کو جلا دیتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر طاقت کے ساتھ تیز چھری چلائی گئی مگر چھری بھی کاٹنے میں اللہ کے حکم کی محتاج ہوتی ہے، اللہ نے اُس چھری کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کو نہ کاٹنے کا حکم دے دیا تھا، لہٰذا کاٹنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن نہیں کاٹ سکی۔

اسباب وذرائع ووسائل کا استعمال کرنا منشائے شریعت اور حکم الٰہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسباب ووسائل کو اختیار بھی فرمایا اور اس کا حکم بھی دیا خواہ لڑائی ہو یا کاروبار۔ ہر کام میں حسب استطاعت اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا جائز وحلال طریقہ پر اسباب ووسائل کو اختیار کرنا، پھر اللہ کی ذات پر کامل یقین کرنا توکل علی اللہ کی روح ہے۔ اگر توکل علی اللہ کا مطلب یہ ہوتا کہ صرف اللہ کی مدد ونصرت پر یقین کر کے بیٹھ جائیں تو سب سے پہلے قیامت تک آنے والے انس وجن کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر عمل کرتے حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور نہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم دیا بلکہ دشمنوں کے مقابلہ کے لیے پہلے پوری تیاری کرنے کی تاکید فرمائی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قرآن کریم میں اللہ پر توکل یعنی بھروسہ کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اختصار کے مدنظر یہاں صرف چند آیات کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ ''تم اُس ذات پر بھروسہ کرو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی'' (سورۃ الفرقان ۵۸) ''جب تم کسی کام کے کرنے کا عزم

کرلوتو اللہ پر بھروسہ کرو'' (سورۃ آل عمران ۱۵۹) ''جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے'' (سورۃ الطلاق ۳) ''بے شک ایمان والے وہی ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آیات ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں'' (سورۃ الانفال ۳)۔

ہمارے نبی نے بھی متعدد مرتبہ اللہ پر توکل کرنے کی تعلیم دی ہے، فی الحال صرف ایک حدیث پیش ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسے توکل کا حق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق عنایت فرماتے جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح سویرے خالی پیٹ نکلتے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔ (ترمذی) مشاہدہ ہے کہ پرندوں کو بھی رزق حاصل کرنے کے لیے اپنے گھونسلوں سے نکلنا پڑتا ہے، لیکن رزق دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے۔

جب کفار مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آ گئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف حضور اکرم ﷺ نے اُن کے ارادہ سے باخبر ہو کر اُحد کے نقصانات کی تلافی کے لیے جنگ اُحد کے اگلے دن صبح سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابۂ کرام جنگ کی وجہ سے زخمی اور بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا۔ بعد میں اس شخص کی ملاقات کفار مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہوئی تو اس نے مسلمانوں کے حوصلے کے متعلق بتایا اور مکہ مکرمہ واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اس سے کفار پر رعب طاری ہوا اور وہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے مگر ابوسفیان نے ایک شخص کے ذریعہ مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر (جھوٹی) پہنچا دی کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور وہ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس پر صحابۂ کرام ڈرنے کے بجائے بول اٹھے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (سورۃ آل عمران ۱۷۳) یہی توکل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم ایک گھنے سایہ دار درخت کے پاس آئے تو اس درخت کو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے چھوڑ دیا۔ مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور حضور اکرم ﷺ کی درخت سے لٹکی ہوئی تلوار اس نے لے لی اور سونت کر کہنے لگا: کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے کہا: اللہ۔ اس پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ ﷺ نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا۔ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا تم بہتر تلوار پکڑنے والا بن جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، لیکن میں آپ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ میں آپ سے لڑوں گا اور نہ میں اُن لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔ (مسند احمد) یہ واقعہ الفاظ کے فرق کے ساتھ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے) خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشرکین کے قدم دیکھے جب کہ ہم غار (ثور) میں تھے۔ وہ ہمارے سروں کے اوپر کھڑے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی نچلی جانب دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تیرا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے کہ اللہ جن کا تیسرا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توکل علی اللہ کے حصول کے لیے ایک دعا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: ''بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں، اور نہ کسی بھی کام کی قدرت میسر آسکتی ہے نہ قوت مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے'' تو اس کو کہہ دیا جاتا ہے تو نے ہدایت پائی، تیری کفالت کر دی گئی، تجھے ہر شر سے بچا دیا گیا اور شیطان اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

☆☆☆☆☆

موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی/آکسفورڈ،لندن

[ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کو علم وتحقیق کی دنیا میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔گذشتہ تین دہائیوں سے وہ آکسفورڈ میں علم وتحقیق کی شمع جلائے ہوئے ہیں اور پورے اعتماد کے ساتھ، بغیر کسی مرعوبیت اور خوف کے، اسلام کی ترجمانی کی خدمت انجام دے رہے ہیں، انھیں ''یورپ میں اسلام کا سفیر'' کہنا بالکل بجا ہے۔موجودہ دور میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمان جن نازک حالات سے گزر رہے ہیں، ان سے نکلنے کے لیے ان کے اس مضمون میں بہت اچھے انداز میں رہنمائی کی گئی ہے۔]

اس وقت صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں ہم مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان کی سنگینی کا احساس ہر خاص وعام کو ہے، ہماری سیاسی طاقت مدتوں سے ٹوٹ چکی ہے، اجتماعیت کا شیرازہ منتشر چکا ہے، گروہی عصبیت ہماری رگ جاں میں پیوست ہوگئی ہے، ہمارا مزاج فرقہ وارانہ بن چکا ہے، ہماری جان ومال اور عزت وآبرو کا عدم تحفظ ہماری ذلت وبے کسی کا آئینہ دار ہے، مختلف ملکوں میں ملازمتوں کے شرائط اس طرح تبدیل کئے جارہے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے ملازمتوں کا حصول مشکل ہوتا جارہا ہے، مسلم ملازمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہورہا ہے، مسلم خواتین کا پردہ تنقید اور امتیازی سلوک کی زد میں ہے، اسکولوں، اسپتالوں اور عوامی ریستورانوں سے حلال کھانوں کی قانونی آسانیاں ختم کی جارہی ہیں، تکفین وتدفین کی حاصل ہونے والی سہولتیں بھی نشانہ پر ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب یکساں مواقع کے دستور کو خواتین اور ہم جنس پرست اماموں کی تقرری کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہے؛ اس لیے غیر اطمینانی کی فضا کو روکنے کے لیے اس طرح کی کاروائیاں شاید بہت کھل کر نہ ہوں، البتہ پولس ایکشن، تعلیمی اداروں کی تفتیش، مسجدوں اور مدرسوں کے لیے بلڈنگ ریگولیشنز اور لائیسنز جیسے قانونی حربوں کا استعمال جاری

ہے، جن کی وجہ سے مسلمان خود کو پابند قیود وسلاسل محسوس کر رہے ہیں۔

ان حالات سے نپٹنے کے لیے ہم مختلف پیمانوں پر متفرق اور غیر منظّم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں؛ لیکن کسی واضح مقصد کے عدم تصور اور کسی طویل المیعاد منصوبہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بجائے پیش رفت کے ہم مزید تنزل واد بار کا شکار ہیں۔

مسائل کا سبب:

ایسے حالات میں دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانا ہمارا معمول بن چکا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری مشکلات کا سبب غیروں کی عمدہ کارکردگی نہیں؛ بلکہ ہماری خراب کارکردگی ہے، ہمارے مخالفین جس منزل کی طرف رواں دواں ہیں وہ نہیں ہے، اسی لیے وہاں تک پہنچنے کے بعد ان کا زوال وانتشار یقینی ہے۔ ہماری پریشانی کا سبب ان کی ترقی نہیں ہونی چاہئے، ہماری پریشانی کی اصل وجہ یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے پاس منزل ہے، لیکن ہم نے اپنی منزل چھوڑ کر دوسروں کی منزلوں کو اپنی منزل تصور کرلیا ہے، اس لیے ہمارے اور دوسروں کے راستوں، طریقہ کار اور تگ ودو میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

امتحان:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو رتبہ ومقام حاصل ہے اور ہمارے اندر جس طرح کی امید اور حوصلہ ہے، وہ ہمارے مخالفین کو حاصل نہیں اور ہمیں اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی، اللہ کے ماننے والوں سے اس قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ ہر دور میں رہا ہے، یہ قیمت ہے ہمارے ایقان واذعان کا امتحان، کہ کیا ہم صرف اس وقت ایمان پر قائم رہتے ہیں جب ہمیں زمین میں عروج، طاقت، اقتدار اور خوش حالی حاصل ہو، یا ہم کمزوری، سختی، پریشان حالی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بھی دین وایمان پر قائم رہ سکتے ہیں؟ کیا ہم اہل ایمان اپنی صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد استوار رکھ سکتے ہیں؟ مشترکہ منصوبے بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ کام کرسکتے ہیں؟ یا ہم وقتی سکون اور عارضی مفاد کے لیے اپنے اصولوں اور دینی وملی مفاد کا سودا کر کے اپنی مختلف نسبتوں اور منقسم شدہ فرقوں اور گروہوں کو اپنی شناخت قرار دیں گے؟

سیاسی تبدیلی:

بعض حالات میں اچھے اثرات ونتائج کے لیے تبدیلی لانے کا مروجہ طریقہ کار قابل استعمال نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر اس وقت بہت سے ممالک میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں کہ ہم کس کو ووٹ دے رہے ہیں، کیوں کہ ان ممالک میں حقیقی طاقت سیاسی سرگرمیوں کی سطح کے بہت اندر گہرائی

میں چھپی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ آپ اس سیاسی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوں؛ کیوں کہ اس سے اندرونی حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی بہتے ہوئے دریا میں آپ کوئی چھوٹی یا بڑی چٹان پھینکیں، ایک مختصر وقفہ کے لیے پانی میں ہلچل ہوگی، اس کے بعد دریا اپنے دھارے کے مطابق دوبارہ اپنا بہاؤ قائم کرلے گا۔

ہندوستان اور یورپ وامریکہ کے بہت سے ممالک میں مسلمانوں کے لیے کوئی سیاسی تبدیلی لانا یا سیاسی پارٹیوں پر اثر ڈالنا عملاً ناممکن ہے؛ کیوں کہ ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گہری نفرت کی فضا قائم کردی گئی ہے، جب تک مسلمان اپنے مسلمان ہونے کا انکار نہ کریں، اس وقت تک وہ جو کچھ بھی کریں گے یا کہیں گے اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ دھیرے دھیرے ان کو اقتدار اور اثر اندازی کی پوزیشن سے مکمل طور پر بے دخل کردیا جائے گا۔

ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ ہم اس وقت سیاسی اقتدار کے اہل ہیں نہ سیاسی اقتدار ہمارے مسائل کا حل ہے۔ ہماری نااہلی اس سے عیاں ہے کہ ہم صحیح طریقے سے مدرسوں، مسجدوں، مرکزوں، اداروں؛ بلکہ اپنے گھروں کا نظام نہیں چلا سکتے۔ سیاسی اقتدار کے توسط سے ہمارے مسائل حل نہ ہونے کی ایک اہم شہادت مسلم ممالک کی صورت حال ہے، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہے، وہاں کے حالات بھی کس قدر خراب ہیں، بلکہ بعض مسلم ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت ہندوستان سے بدتر ہے۔

ہمارا مقصد حیات:

تبدیلی یا اصلاح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہمارا مقصد حیات کیا ہے؟ پھر اپنے تمام منصوبوں اور تمام کوششوں کا ازسرنو جائزہ لینا ہوگا کہ یہ منصوبے اور یہ کوششیں اس مقصد کے لیے کس حد تک ضروری ہیں؟ اور ان کے درمیان آپس میں کس قدر ہم آہنگی ہو؟ ہر شخص جسے کتاب الٰہی کا تھوڑا بھی علم ہے اور جسے پیغمبروں کی تاریخ سے کچھ واقفیت ہے، اسے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کی ہم نے دوسری قوموں کی تقلید میں اپنا مقصد حیات تبدیل کردیا ہے، اس لیے ہمارے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، ہم نے وہی وسائل اور طریقہ کار استعمال کرنا شروع کردیا ہے جو دوسری قوموں کی سوچ کا منتہا ہے۔ ہم میں اور دوسری قوموں میں داعی اور مدعو کی نسبت

تھی اور اس وقت ہم دنیا کی ساری قوموں کے فریق اور مقابل بن گئے ہیں، اسی حیثیت سے وہ ہم سے معاملہ کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان نفرت اور دشمنی میں اضافہ کے علاوہ کوئی اور امکان نہیں۔

ہمارا نقطہ آغاز یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں۔ اس دنیا میں ہمارا مقصد اللہ کی عبادت ہے، باقی ساری چیزیں اس اصل مقصد کی معاون۔ مسلمانوں کے لیے بہت اہم اور ضروری ہے کہ عبادات پر صحیح توجہ دیں اور اپنے ایمان و اسلام کو اپنے درمیان اور کھلی فضا میں پورے حوصلہ اور عزم کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کریں، ہماری اکثریت صرف نام کی مسلمان ہے، اسلام کے ارکان پر بہت کم لوگ عمل پیرا ہیں، اس سلسلہ میں سخت مہم اور جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ایمان اور اسلام کے راستہ پر قائم کرنا ہماری بنیادی اور اولین ترجیح ہونا چاہئے۔

منصوبہ بندی:

اس بنیادی مقصد کی روشنی میں ہمیں ایک طویل المیعاد منصوبہ پر کام کرنا ہوگا، جس سے ہمارے افراد اور ہماری جماعتیں ان خوبیوں سے متصف ہو جائیں، جو دونوں جہان کی کامیابی کے لیے کلیدی حیثیت کی حامل ہیں۔

(۱) اس منصوبہ کا سب سے پہلا مقصد ''تعلیم کی فراہمی'' ہے۔ اسے یقینی بنائیں کہ ہر مسلمان قرآن وسنت کی اس قدر تعلیم ضرور حاصل کرے، جو اسے اللہ کی بندگی کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس کے بعد کچھ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اسلامی علوم میں تحقیق کے مقام پر فائز ہوں، اس کے بعد دنیاوی تعلیم پر توجہ کی جائے۔ دنیاوی تعلیم اس وقت صرف تعلیم نہیں؛ بلکہ ملازمتوں کے حصول اور باعزت مال کمانے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر، بلکہ ہر مسلم آبادی میں ہم یقینی بنائیں کہ مسلمان بچے تعلیم سے بہرہ ور ہوں، اس سلسلے میں جو مالی اور غیر مالی موانع پیش آئیں ان کا حل نکالیں، تعلیم کے حصول کی راہ میں کسی عذر یا رکاوٹ کو حائل نہ ہونے دیں، ایسے ذرائع اپنائیں جن سے ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم اچھے معیار پر حاصل کریں، نادار گھرانوں کے بچوں کی فیس کی ادائیگی، ان کے لیے وظائف کا انتظام اور تعلیم میں کمزور بچوں کے لیے معقول ٹیوشنز کی سہولیات فراہم کی جائیں، امتیاز وتفوق ہماری خصوصیت ہونی چاہئے، اس وقت کسی میدان میں اسی کی قدر ہے جو فائق ہو، تفوق وامتیاز کے حامل کو فرقہ پرست اور تعصب پسند بھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔

(۲) دوسرا اہم منصوبہ ''رفاہی کاموں کا قیام'' ہے۔ جو لوگ روزمرہ کی غذائی اشیا سے محروم ہیں انھیں تحفظ فراہم کیا جائے، لڑکیوں کی باعزت شادی کی سعی کی جائے، حکومتوں کی بعض پالیسیوں کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے ذرائع آمدنی سے محروم ہو رہے ہیں، ان کے لیے صحیح متبادل کا نظم کیا جائے۔

(۳) ''اخلاق اور بلند کرداری کی تعلیم'' اس منصوبہ کا اہم حصہ ہے۔ ہماری اخلاقی حالت دوسروں سے بہتر نہیں، ہمارے اندر بے حیائی، فحاشی، بددیانتی عام ہے، بے صبری اور غصہ کی زیادتی کی وجہ سے بہت سی اخلاقی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، علما اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اخلاق بھی گرے ہوئے ہیں، مال و جاہ کی محبت بڑھی ہوئی ہے، من حیث القوم ہماری بقا، ان اخلاقی قدروں پر منحصر ہے، ہمارے خاندانوں اور ہماری اجتماعیت کے انتشار کا ایک اہم سبب ہماری اخلاقی کمزوریاں ہیں، ہم عورتوں، بچوں، والدین، اعزہ واقربا، فقرا و یتامیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے احترام سے بڑی حد تک غافل ہیں، ان امور پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، اخلاقی تربیت کے منظّم پروگراموں کا انعقاد ہماری اصلاحی کوششوں کا بنیادی حصہ ہونا چاہیے۔

(۴) ''غیر مسلموں سے اچھے تعلقات قائم کریں''، غیر مسلم پڑوسیوں کا خیال رکھیں، ان کو تحفے تحائف دیں، تقریبات میں انھیں مدعو کریں، ہر محلّہ کے اندر ذات پات اور طبقاتی تقسیموں سے بالا ہو کر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترکہ اجتماعات منعقد کریں، جن میں کھانے پینے کا انتظام ہو اور انسانی اور ملکی اور دیگر باہم دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہو، ہم ان کے بچوں اور بوڑھوں سے اپنی دلچسپی کا اظہار کریں۔ یہ قریبی تعلقات جس قدر استوار ہوں گے اسی قدر میڈیا اور اسلام اور مسلمان دشمن تنظیموں کے منفی اثرات کم ہوں گے۔

(۵) موجودہ حالات میں ہمیں بے انتہا ''صبر و تحمل سے کام لینا'' ہوگا، ہمیں ہر وقت بھڑکانے کی کوشش کی جائے گی، ہمارے محلوں سے مذہبی اور غیر مذہبی جلوس نکال کر ہمیں مشتعل کیا جائے گا، عبادت گاہوں کو ملوث کیا جائے گا، ان سارے موقعوں پر ہم اشتعال انگیزی سے بچیں، نعروں اور شور ہنگاموں کا جواب خاموشی سے دیں۔ عراق اور شام کی صورت حال سے ہمارے مخالفین کو ایک نیا راستہ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ بجائے غیر مسلم اور مسلم فسادات کے، مسلمانوں کے اندر جو اختلافات ہیں، ان کو ابھارا جائے اور انھیں ایک دوسرے سے لڑایا جائے۔ اس وقت ہم تاریخ کے

ایک اہم مرحلے سے گزر رہے ہیں، ہمیں اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ملت کے لیے کام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا، ہم میں سے ہر ایک کو یہ طے کرنا ہوگا کہ شیعہ سنی اختلافات، دیوبندی اور بریلوی تنازعات اور سلفی وغیر سلفی ترجیحات کو صرف کلاس روم تک محدود رکھیں، مسجدوں اور عوامی اجتماعات میں ہمیں مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات ختم کر کے ایک دوسرے سے دین کی اصولی باتوں پر اتحاد کو تقویت دینی چاہئے اور ملت کے عمومی مصالح کے لیے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو ہنسی خوشی قربان کرنے کی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔

خاتمہ:

یہ افکار وخیالات اسی وقت مؤثر ہو سکتے ہیں، جب انھیں ایک تحریک کی شکل دی جائے، ان میں سے ہر منصوبے کی تطبیق کے لیے الگ الگ تنظیمیں بنائی جائیں، جو ملک کے ہر گوشے میں ان ہدایات کی نشر واشاعت اور ان کے اجرا کا کام کریں۔

الحمد للہ بعض جگہوں پر ان اصولوں کی روشنی میں کچھ کام شروع ہو چکا ہے، اس وقت اسی کو آگے بڑھانے اور مزید منظّم کرنے کی کوشش تیز کرنی چاہئے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حوصلہ اور ہمت سے کام کرنے کی توفیق دے اور تبصرے بازی اور طعن وتشنیع سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۱ کا

اسلام انسانی جنسی وشہوانی ضرورت کا خیال رکھتا ہے، اسی لئے نکاح کا حکم ہے، غلبۂ شہوت یا دوسرے مقاصد کی بنیاد پر عدل کی شرط کے ساتھ تعددِ ازدواج کی بھی گنجائش دی گئی ہے، ازدواجی تعلقات میں تلخی وناگواری کی صورت میں مسئلہ کے حل کی ہر ممکن کوشش کے بعد مجبوراً طلاق کی اجازت بھی ہے۔

جرائم پر حدود وتعزیرات اور سزاؤں کا نظام بھی مجرم کی سزا، دوسروں کو عبرت اور معاشرتی فساد کے اِزالے کے بلند مقاصد کے لئے متعین کیا گیا ہے، ہر حکم شرعی میں سہولت اور رفع حرج (تنگی دور کرنے) کا اصول ملحوظ ہے، ظاہر ہے کہ عقائد، عبادات، اخلاق واحکام ہر جگہ اس درجہ حقیقت پسندی کا لحاظ اسلام کا امتیاز ہے اور اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ انسانی مذہب نہیں بلکہ خدائی مذہب، الٰہی قانون اور ربّانی نظام ہے، اور اسی کی پابندی مقتضائے فطرت، مطالبۂ عقل اور ذریعۂ نجات ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام ایک حقیقت پسندانہ مذہب ہے

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اسلام کی ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک حقیقت پسند مذہب اور نظامِ حیات ہے، عقائد وعبادات، معاملات اور احکام واخلاق ہر اعتبار سے اسلام حقیقت پسند ہے، اور اس کی ہر تعلیم وہدایت میں واقعیت پسندی کا عنصر اور حقائق کا نور واضح اور روشن ہے۔

اسلامی عقائد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ اول تا آخر واقعیت پر مبنی ہیں، ہر اسلامی عقیدہ ایسی حقیقت ہے جسے عقل بآسانی قبول کرتی ہے، دل اس پر مطمئن رہتا ہے، فطرتِ سلیمہ اس پر لبیک کہتی ہے، وہ اوہام وخیالات سے بالکل دور ہے، اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ توحید ہے جو تمام حقائق میں سب سے بڑی حقیقت ہے، اللہ کی تکوینی نشانیاں، دلائل انفس وآفاق، عقلی، نقلی، مشاہداتی وتجرباتی براہین سب اللہ کی وحدانیت کو کائنات کی سب سے بڑی اور نمایاں حقیقت ثابت کرتے ہیں، اللہ کے اوصافِ جلال وجمال، رحمت وغضب، قدرت وقوت، غلبہ وکبریائی، تخلیق وایجاد، عفو ومغفرت، محبت ورافت، حلم وعطا، جود وکرم، قہاری وغفاری، قدوسی وجبروتی، سب ہی بدیہی حقائق ہیں، جن کو ہر عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔

عقیدۂ رسالت دوسری بنیاد ہے، اسلام محمد عربی ﷺ کو نبی آخر الزماں اور خاتم الانبیاء والرسل قرار دیتا ہے، انھیں اخلاقِ عالیہ کا حامل اور متصف بتاتا اور ثابت کرتا ہے کہ وہ انسانوں ہی میں سے تھے، ان کی رفتار وگفتار، خورد ونوش، معاملات ومعاشرت سب انسانوں ہی جیسے تھے، وہ کوئی اور مخلوق نہ تھے، البتہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان پر قرآن اتارا گیا، جس میں اہل کفر کو چیلنج کیا گیا کہ اس کے کسی بھی حصے کا جواب لے آئیں مگر کوئی ہمت نہ کرسکا، اس طرح اللہ نے قرآن کو ہر تحریف وترمیم سے محفوظ کردیا، اب اس میں کچھ رد وبدل ناممکن ہے، قرآن دلوں اور عقلوں دونوں کو مخاطب کرتا ہے، ان کا رُخ صحیح کرتا ہے، اسلام کے عقیدۂ رسالت سے جڑے ہوئے یہ سب حقائق ہیں

عقیدۂ آخرت تیسری بنیاد ہے، اسلام واضح کرتا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی ہے، جس میں ہر عمل کا حساب ہوگا، جزا وسزا کا نفاذ ہوگا، قرآن میں اس عقیدے اور اس کی تفصیلات کا سیکڑوں جگہ ذکر کیا گیا ہے، اور بتادیا گیا ہے کہ یہ حقائقِ واقعیہ ہیں، ان کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اسلامی عبادات میں بھی حقیقت پسندی کا یہی عنصر کارفرما ہے، انسان کے اندر اپنے خالق ومالک اللہ سے مربوط ہونے کی جو خواہش اور پیاس ہوتی ہے اس کو بجھانے، سیراب کرنے کے لئے عبادات کا پورا نظام اسلام نے مقرر کیا ہے، ہر عبادت انسان کی تسلی کا سامان ہے، لیکن چونکہ انسان کمزور ہے، اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے حرج اور تنگی سے بچایا اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اسلام ان کی زندگی کے خاندانی، معاشرتی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں، الجھنوں اور پیچیدگیوں کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسی لئے وہ ان کا پورا وقت عبادت میں نہیں گھیرتا، بلکہ اس کے لئے اوقات مقرر ہیں، اسی طرح اسلام ان کے مزاجی تلوّن وتنوّع اور نوعِ انسانی کی ضروریات کا پہلو بھی سامنے رکھتا ہے، اور اسی لئے کچھ بدنی عبادات مقرر کرتا ہے، کچھ مالی عبادات اور کچھ مالی وبدنی دونوں پہلوؤں کو جامع عبادات، کچھ عبادتیں روزانہ کی ہیں، کچھ سالانہ ہیں، کچھ پوری عمر میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہیں، اس کے ساتھ ہی شوقین اور قربِ خداوندی کی متلاشی طبائع کے لئے نوافل کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔

مزید برآں اسلام انسان کے ہنگامی حالات مثلاً مرض اور سفر وغیرہ کو بھی سامنے رکھتا ہے اور رُخصتوں اور سہولتوں کا دائرہ بڑھاتا ہے، بیماری ومعذوری کے عالم میں بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے، تیمّم سے کام لینے، روزہ توڑ دینے، اور سفر میں قصر وغیرہ احکام اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، ہر جگہ اسلام عسر اور تنگی کے بجائے یسر اور سہولت کی حقیقت سامنے رکھتا ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات بھی حقیقت پسندی کا شاہکار ہیں، عدل وانصاف کا حکم ہو یا ظالم کے ظلم کا جواب میں عادلانہ انتقام، یا کریمانہ عفو ودرگذر ہو، یا دوسرے اوصاف وآداب ہوں، ہر جگہ حقیقت پسندی نمایاں ہے، اسلام یہ واضح کرتا ہے کہ تمام انسان اخلاقی وایمانی قوت میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ انسانوں میں فطری اور عملی اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، قرآنی زبان میں کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے یعنی لاپرواہ اور گنہگار ہوتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہوتے ہیں، اور کچھ نیکیوں کی طرف بہت سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ کوئی انسان نبی کے سوا معصوم نہیں ہوتا، انسان

خطا ونسیان سے آلودہ ضرور ہوتا ہے، اور گناہوں سے بچنا، توبہ، رجوع الی اللہ اور تقویٰ سے ہوتا ہے۔

تربیت اور اصلاح وتزکیہ کے باب میں بھی اسلام بے حد حقیقت پسند ہے، اسلام اپنی تربیت واصلاح کی مہم میں توازن واعتدال کو اولین مقام دیتا ہے، جس کا اہم ترین ہونا واضح حقیقت ہے اور اِفراط وتفریط اور غلو وتعصب سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے، اسلام ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے اہل خانہ کی نجات کا سامان تیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر انسان کو ذمہ دار اور ذمہ داری کے لئے جواب دہ اور مسئول قرار دیتا ہے، باپ کو بچوں کی تربیت کی تلقین کرتا ہے، اور حکم دیتا ہے کہ دس سال کے ہونے پر سمجھانے سے نماز نہ پڑھیں تو انھیں مارا جائے، یعنی باپ کو اولاد کے سلسلے میں سنجیدہ اور فکر مند ہونا چاہئے، اسی طرح تاکید کرتا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے کو ایذا یا ضرر نہ پہونچائے، یہ سب تربیتی تعلیمات روشن حقائق ہیں۔

اسی طرح احکام شریعت میں بھی حقیقت پسندی کے پہلو کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اسلام نے کسی ایسی چیز کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس سے انسان کی واقعی ضرورت یا نفع متعلق ہو، اور کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جس میں انسان کا نقصان ہو، پاکیزہ رزق، زیب وزینت وغیرہ کو قرآن نے حرام نہیں کیا، اور اعتدال اور اسراف نہ کرنے کی شرط کے ساتھ اسے جائز رکھا ہے، اسلام نے انسان کی مائل بہ لہو ولعب اور تفریح پسند طبیعت دیکھ کر مختلف کھیل مثلاً تیر اندازی، شہ سواری، تیراکی، اور جوا وحرام سے آلودہ نہ ہونے والے اور ذکر ونماز سے غافل نہ کرنے والے کھیلوں اور تفریحات کی اجازت دی ہے، حضور اکرم ﷺ نے عید کے موقع پر خوشی منانے کی رُخصت دی ہے، آپ ﷺ نے حبشیوں کو نیزہ بازی کا کھیل دکھانے کی اجازت دی، اور خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دیکھا اور واضح کر دیا کہ ''یہودیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا دین توسّع رکھتا ہے، اس میں تنگی نہیں ہے (مسند احمد) اسلام نے عورت کی تزیّن پسند فطرت کی رعایت کرتے ہوئے اسے سونے چاندی کے استعمال اور ریشم پہننے کی اجازت دی ہے، اضطراری حالات میں ناروا وحرام چیزوں کی ضرورۃً حلت بھی اسلامی شریعت کی حقیقت پسندی کا واضح نمونہ ہے۔

اس طرح اسلام انسانی فطرت کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سدِّ ذرائع کے اصول کا قائل ہے کہ جو عمل حرام کے ارتکاب کا ذریعہ بن سکتا ہے خواہ جائز ہی کیوں نہ ہو اس کو بھی حرام کر دیا ہے، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کا حرام ہونا اس کی نمایاں مثال ہے۔ (بقیہ ص: ۲۸ پر)

تربیت اولاد کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک نصیحت

مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب مدظلہ، مفتی جامعہ حمادیہ، کراچی

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دس باتوں کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی، پوری حدیث درج ذیل ہے، اس میں صرف ایک نصیحت (وَاَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ) کی تشریح ووضاحت کو شائع کیا جارہا ہے، جو تربیت اولاد سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

عَنْ مَعَاذٍ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَعَشْرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ، وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّداً فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلوٰۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّداً فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ، وَلَا تَشْرِبَنَّ خَمْراً فَاِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ، وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ الْمَعْصِیَۃَ حَلَّ سَخَطَ اللّٰہِ وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَکَ النَّاسُ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَباً، وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ (رواہ احمد مشکوٰۃ ج۱ صفحہ ۱۸)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگر چہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے۔ اوراپنے ماں باپ کی ایذا رسانی اوران سے قطع تعلق نہ کرو، اگر چہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع چھوڑ کے نکل جاؤ۔ اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑ دی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔ اور ہرگز کبھی شراب نہ پینا، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ اور بنیاد ہے۔ (اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو۔ اگر چہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو

تم وہیں جمے رہو۔ (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔اور اپنے اہل وعیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے ان کو تکلیف ہو اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔اور ادب کیلئے ان پر (حسب ضرورت وموقع) سختی بھی کیا کرو۔اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مشکوۃ شریف ج ا صفحہ ۱۸)

﴿وَاَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ﴾

(اے معاذ) اپنے اہل وعیال پر اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرو۔

تشریح: دس نصیحتوں میں یہ آٹھویں نصیحت ہے جو حضرت سرور کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمائی ہے اس نصیحت کے ذریعہ پریشانیوں سے دور رکھنا اور بچانا مقصود ہے اور حضرت معاذؓ کے ذریعہ امت کو اعتدال کا سبق دینا بھی مقصود ہے۔اگر شریعت کے احکامات اور معاملات کو دیکھا جائے تو شریعت نے ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی پسند کی ہے۔اس حدیث میں ایک طرف اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو دوسری طرف اس کی یہ حد بندی بھی فرمائی کہ یہ خرچ اپنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے نہ تو اس میں بخل کا معاملہ ہو اور نہ ہی حد سے تجاوز ہو بعض کم فہم لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اپنی محبت کا اظہار اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ جوش میں آکر اپنی طاقت اور اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر ڈالتے ہیں اور بعد میں پریشانیاں اٹھاتے ہیں اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جتنی تمہاری وسعت ہے اور جتنی تمہاری توفیق ہے اتنا ہی اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا کبھی تمہیں پریشانی نہیں آئے گی۔

صدقہ میں احتیاط واعتدال:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو (اپنے بعد) غنی چھوڑ جائے یعنی اپنے اہل وعیال کو بالکل فقیر نہ کر جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنا ان لوگوں سے شروع کرو جن کی عیال داری تمہارے ذمے ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بیوی کہہ رہی ہو کہ یا تو میرا خرچہ اٹھاؤ ورنہ مجھے طلاق دے کر آزاد کرو اور تمہارا غلام کہہ رہا ہو کہ یا تو میرا خرچہ دو ورنہ مجھے (کسی دوسرے کے ہاتھ) فروخت کر دو اور تمہارے بچے کہہ رہے ہوں کہ (ابا جان) ہمیں کس کے اوپر چھوڑ کر جا رہے ہو۔ (الترغیب والترہیب/ ج۲ بحوالہ ابن خزیمہ)

نفلی صدقات کوترجیح دینے والوں کے لئے اہم سبق

اس حدیث میں راہ اعتدال اور فرق مراتب کا سبق امت کو بتایا گیا ہے۔خصوصاً ان لوگوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے جولوگ مختلف قسم کے نفلی کاموں میں خوب خرچ کرتے ہیں اور دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کی طرف سے غافل اور لاپرواہ رہتے ہیں انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے بیوی بچے کس حال میں ہیں انہوں نے صبح سے کھایا پیا بھی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بچوں کی تربیت اور ان کی دیکھ بھال اور ان بال بچوں کا خرچہ واجب ہے اور ان کو اپنی حیثیت کے مطابق معاشی تنگی اور پریشانیوں سے بچانا اول فریضہ ہے اس کے برخلاف نفلی کام اور نفلی صدقات بعد کے کام ہیں ان کو کرنے یا نہ کرنے ان میں حصہ لینے یا نہ لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن اگر بال بچوں کے خرچہ سے لاپرواہی برتی تو اللہ کے یہاں ہم مجرم ہیں اور ہماری پکڑ ہے اس لئے ہر کام میں خصوصاً دعوت وتبلیغ ونفلی صدقات کے کام میں راہ اعتدال اور فرق مراتب کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ ایمان کا ایک تقاضہ ہے۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ خیرات کے عنداللہ مقبول ہونے کے چھ شرائط لکھے ہیں ان شرائط میں دوسرے نمبر کی شرط یہ ہے کہ طریق سنت کے مطابق خرچ کرنا اور طریق سنت یہ ہے کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کسی حقدار کی حق تلفی نہ ہو اپنے اہل وعیال کے ضروری اخرجات بغیر ان کی رضامندی کے بند یا کم کر کے صدقہ خیرات کرنا کوئی امر ثواب نہیں ہے۔اسی طرح حاجتمند وارثوں کو محروم کر کے سارے مال کو صدقہ خیرات یا وقف کر دینا تعلیم سنت کے خلاف ہے۔(معارف القرآن/ج۱/ص۶۳۵)

لوگ اس کو بہت بڑی نیکی تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی جہالت اور نادانی ہے کہ اپنے اہل وعیال جو کہ ضرورتمند ہیں ان پر خرچ کرنے کے بجائے دوسری مدات میں خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں (آمین)

خرچ کرنے کی ترتیب:

حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا میرے پاس ایک دینار ہے اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ذات پر خرچ کرو

اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے اہل (یعنی بیوی، ماں ، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو پھر اس نے عرض کیا (یا رسول اللہ) میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اب تم اس کے بارے میں زیادہ جان سکتے ہو۔ (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو۔ جس کو اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو)

بخل اور اسراف سے اجتناب:

ان تفصیلات کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اعتدال کا دامن کسی طور پر نہ چھوٹنے پائے۔ خصوصی طور پر اعتدال کے ضمن میں دو چیزوں کا اہتمام رکھا جائے ایک تو یہ کہ بخل سے کام نہ لے اللہ تعالیٰ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ میرے دئے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں بندہ بخل سے کام لے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں نہ تو مکثار (زیادہ باتونی) داخل ہوگا۔ نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا۔ (رواہ الترمذی)

اور ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں:

(۱) بخل (۲) بد خلقی (رواہ الترمذی)

دوسرے یہ کہ اسراف وتبذیر سے بچنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ شیطانی کام ہیں اور معاشرہ کے لئے برائیوں کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً﴾ (الفرقان ۶۷)

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اس انداز سے خرچ کرتے ہیں کہ نہ حد سے زیادہ ہوتا ہے اور نہ حد سے کم بلکہ درمیانی راہ پر چلتے ہیں۔

سورہ انعام میں فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

اور بے جا خرچ نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے۔

معلوم ہوا کہ بے جا خرچ کرنا اور حد سے تجاوز کرنا خواہ کمی کی طرف ہو یا زیادتی کی طرف مال خرچ کرنے کے سلسلے میں ہو یا کسی کام میں اللہ کو سخت ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

باسمہ تعالیٰ

ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی مستقبل کا تحفظ

اندیشے اور امکانات

مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب
بانی ومینیجر خالد بن ولید پبلک اسکول، محمد پور، اعظم گڈھ

آگے کی گفتگو سے پہلے، ہندی کے ایک معروف آن لائن اخبار کے ایک مشہور ومقبول صحافی کے بلاگ کے اقتباسات پر جو ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء کو شائع ہوا ایک نظر ڈالتے ہیں:

''ایک کے سر پر آنچل دوسرے کے سر پر دوپٹہ، ایک ساڑی میں، اور دوسری شلوار میں، عمر کا فاصلہ تو اتنا نہیں رہا ہوگا؛ مگر مذہب کے فاصلے کے مٹنے کی کھلکھلاہٹ دبی زبان میں مجھ تک پہونچ رہی تھی۔ میں بین المذاہب شادی رچانے والے جوڑوں کے تجربے سے باتیں کررہا تھا، سفید سوٹ میں مسلم سمدھن اور لال ساڑی میں ہندو سمدھن ایسا نظارہ کہاں دیکھنے کو ملتا ہے، اختری بیگم بہار کے سستی پور کی رہنے والی ہیں، اور پاروتی رائے یوپی کے غازی پور کی۔

منیش کی ماں شبانہ کو بہو کے بجائے بیٹی کہتی ہے، منیش کی ماں کہنے لگی: ایک ہی بیٹا تھا میرا، کبھی کسی مسلمان کے گھر نہیں گئی تھی، نہ ہی کوئی مسلمان میرے گھر آیا تھا۔ شبانہ کی ماں نے کہا: یہ گھر سے بھاگ گئی۔ پاروتی رائے نے پوتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: یہ سلام بھی کرتا ہے اور نمستے بھی۔

منیش اور شبانہ نے دھرم نہیں بدلا ہے، رینو اور آصف اقبال نے بھی دھرم نہیں بدلا ہے، آصف اس بات کو لے کر سخت ہیں کہ دھرم کیوں بدلنا ہے، رینو سے شادی کرنے پر انہیں بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن دونوں نے نہ دھرم بدلا نہ ہی نام، آصف اقبال نے کہا: کسی محفل میں وہ کل سریشٹھ ہو جاتے ہیں تو کسی میں رینو مسز خان ہو جاتی ہیں'' (این.ڈی.ٹی.وی ہندی اشاعت ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء)

ہندو شوہر کے ساتھ خوش گوار ازدواجی زندگی

اس واقعے سے جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ: بہار کی ایک مسلم لڑکی جس کے ماں باپ صدیوں سے مسلمان چلے آرہے تھے، کالج کے مخلوط تعلیمی ماحول میں، غازی پور، یوپی کے ایک اجنبی ہندو لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے، اس سے شادی کرنے کے لئے گھر والے راضی نہیں

ہوتے ہیں تو وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے، ہندولڑکا اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتا، نہ ہی لڑکی اس کے لئے اصرار کرتی ہے، دونوں شادی کر لیتے ہیں، ایک مسلمان لڑکی ایک ہندو کی بیوی بن کر اپنی ازدواجی زندگی پر مطمئن ہے، وہ اپنی سسرال کے ہندو گھرانے میں بخوشی زندگی گذار رہی ہے، اسے سماجی اعتبار سے نہ کوئی پریشانی ہے نہ مذہبی لحاظ سے کوئی غم، ایک بیٹا بھی پیدا ہوتا ہے، جو اپنے ددھیال میں رہتا ہے، اسے سلام کرنا بھی سکھایا گیا ہے اور نمستے بھی، اس رشتے کے نتیجے میں آگے چل کر دونوں خاندان بھی قریب آجاتے ہیں، مسلم سمدھن اپنی ہندو سمدھن کے گھر آتی ہے اور رشتہ داری کے تقاضے ادا کرتی ہے۔

صورت حال کی سنگینی

اس طرح کا اگر یہ صرف تنہا ایک واقعہ ہوتا تو بھی ہر اس شخص کو بے قرار کرنے کے لئے کافی تھا جس کا ایمان ہے کہ:

> ''روئے زمین پر دین برحق صرف اسلام ہے، جو دنیا میں خدا کی رضا وخوشنودی اور آخرت میں نجات کے حصول کا واحد ذریعہ ہے، اس کے سوا کوئی دین/ مذہب/نظریہ یا طریقہ حیات: رضائے الٰہی یا نجات اخروی کا ذریعہ نہیں ہے اور یہ کہ اس دین برحق میں اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ ایک مومن کسی مشرکہ کے ساتھ یا ایک مشرک کسی مومنہ کے ساتھ شادی کرے، ازدواجی زندگی گذارے یا جنسی تعلق قائم کرے''

لیکن یہ صرف منیش اور شبانہ کی کہانی نہیں ہے؛ بل کہ رینو اور آصف اقبال نے بھی ایسا ہی کیا ہے، رینو اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے آصف کی بیوی ہے اور آصف رینو کا شوہر، یہ الگ بات ہے کہ کبھی رینو کے رشتہ داروں کی محفل ہوتی ہے تو آصف کُل سریشٹھ ہوجاتا ہے اور آصف کے لوگ باگ ہوتے ہیں تو رینو مسز خان کہلانے لگتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے آصف اپنی بیوی کے رشتہ داروں کے سامنے غیر مسلم بن جاتا ہے۔

بین المذاہب شادی کرنے والوں کی ''دھنک''

کہانی صرف منیش اور شبانہ، رینو اور آصف پر جاکر ختم ہوجاتی تو بھی اسلامیانِ ہند کی غیرت کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھی؛ لیکن معاملہ بہت آگے پہونچ گیا ہے، اور بڑی تیز رفتاری سے مسلم نوجوانوں (بچوں اور بچیوں) کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کی بڑھتی تعداد اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے، تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں، اسی نوعیت کی ایک تنظیم ''دھنک'' کے

نام سے سرگرم ہے جو بین المذاہب شادی کرنے والے جوڑوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ان کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کام کرتی ہے، تنظیم کا دعوی ہے کہ اب تک اس سے چھ سو ایسے جوڑے جڑ چکے ہیں جنہوں نے دھرم اور ذات کی دیواروں کو توڑ کر شادی رچائی ہے، اس تنظیم سے جڑنے کی ایک شرط ہے کہ کوئی اپنا مذہب اور نام تبدیل نہیں کرے گا۔ (این.ڈی.ٹی.وی ہندی اشاعت ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء۔)

بھاگی ہوئی (مسلم) لڑکیاں

یہ اعداد و شمار بھی قطعی اور آخری نہیں ہیں، گذشتہ دنوں ''بی بی سی اردو'' نے ایک سلسلہ وار مضمون جاری کیا تھا جس میں ان لڑکیوں کی کہانیاں شیئر کی گئی ہیں جنہوں نے اپنے گھروں سے فرار ہوکر دوسرے مذاہب کے لڑکوں سے شادیاں کی ہیں، مضمون کا عنوان تھا: ''بھاگی ہوئی لڑکیاں'' اس سیریز میں مسلم بچیوں کی تعداد دوسروں کے بالمقابل زیادہ تھی۔

اسلام کی باغیرت بیٹیاں

ہم نے تاریخ میں یہ تو پڑھا تھا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں، سکھ زبردستی مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں میں رکھ لیا کرتے تھے اور اس کی بھی نظیریں ملتی ہیں کہ کچھ مسلمان عورتیں جنگوں میں دشمن کے ہاتھ آجاتی تھیں؛ تاہم وہ عورتیں بہرحال اپنے دین پر ثابت قدم رہتی تھیں، حیا و عفت سے لبریز ہوا کرتی تھیں، چھپ چھپ کر اللہ کی عبادت کیا کرتی تھیں، کبھی اپنی اس مجبوری کی زندگی پر وہ راضی نہیں ہوتی تھیں، کفر و شرک کی نفرت کا طوفان ہر لمحہ ان کے سینے میں موجزن ہوا کرتا تھا اور جب انھیں موقع ملتا وہ اس ظلمت سے نکلنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیا کرتی تھیں۔

شام کی فتح کے موقع پر، کچھ عرب مسلمان عورتیں، رومیوں کی قید میں آگئیں، رومی سردار پطرس نے قیدی عورتوں کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، خولہ بنت الازورؓ کو دیکھ کر اس نے کہا: یہ میرے لئے ہوگی، باقی عورتیں تم تقسیم کرلو، اس درمیان رومی، جنگ کے امور میں مشغول ہوگئے، حضرت خولہؓ نے عرب عورتوں سے خطاب کیا، انہیں ہمت دلائی، ان کی غیرت کو ابھارتے ہوئے فرمایا:

> ''اے حمیر کی بیٹیو!، قومِ تبع کی یادگارو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم عجمی حیوانوں کی خدمت گذاری کرو اور تمہاری اولادیں مشرکین کی غلامی کریں، میرا خیال ہے کہ ہرگز نہیں، تمہاری شجاعت و بہادری کو میں آواز دیتی ہوں جس کا ہم ہمیشہ تذکرہ کرتے رہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے لئے قتل ہوجانا، رومی کتوں کی خدمت کے بالمقابل بہت آسان ہوگا، چنانچہ

باغیرت عورتوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر دشمنوں پر حملہ کردیا، تیس کو موت کے گھاٹ اتارا اور برابر مقابلہ کرتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت خالدؓ بن ولید اپنا لشکر لے کر حملہ آور ہوئے اور ان عورتوں کو رہائی مل گئی۔ (فتح الشام للواقدی ج ۱ص ۴۷)

یہ تھی ہماری شاندار تاریخ اور تابناک ماضی، حالیہ واقعات جن کا منھ چڑاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اتنی تبدیلی کہاں سے اور کیوں کر آئی؟ معاشرے میں اس درجہ سطحیت بلا سبب اور یکا یک نہیں آ گئی ہے؛ بل کہ اس کے پیچھے سمجھ میں آنے والی کچھ وجوہات ہیں، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تشخیص کے بعد ان کا تدارک بھی ممکن ہے اور اس سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔

کہتے ہیں جس کو عشق.....

اس قدر اخلاقی گراوٹ کہ ایک مسلم نوجوان (لڑکا یا لڑکی) کسی غیر مسلم سے بلا تردد محبت کرنے لگے، اس کے ساتھ گھومنے ٹہلنے لگے، اور پھر اس کے غیر مسلم رہتے ہوئے، اس سے شادی کرنے پر آسانی سے تیار ہو جائے اور اپنے مذہب تک کی پرواہ نہ کرے: اس کی وجہ نہ تو شدتِ عشق ہو سکتی ہے، نہ ہی بے اختیار نفسانی خواہش؛ کیوں کہ ''عشق وشق'' کا بھی ایک دائرہ ہوتا ہے اور خواہشیں بھی مجبوریاں سمجھتی ہیں، ورنہ ہر کس وناکس ''شہزادیوں'' اور ''حسینہ ہائے عالم'' کی دیوانگی میں مبتلا ہو کر یا تو راہی ملکِ عدم ہوتا اور یا پھر تا عمر صحرا نوردی کرتا۔

اگر دنیوی سزائیں اور رسوائیاں عشق ومحبت کے دماغی خلل(۱) جیسی بیماریوں کا علاج ہوسکتی ہیں تو پھر ایمان باللہ، خوفِ خدا، عشقِ محمدی، عالم برزخ ومحشر کی ہولناکی کا احساس، جنت کے حسین مناظر کی تمنائیں، اور جہنم کے خوفناک احوال کا استحضار: انہیں یقیناً ''عشق ووفا'' کے نام پر اپنے خالق پروردگار، اپنے محسن ماں باپ، تمام اہل خاندان واہل قرابت سے روگردانی اور بے وفائی سے روک سکتا ہے۔

خالص ماڈرن تعلیم اور مردوزن کا اختلاط

اس قدر اخلاقی زوال، ناعاقبت اندیشی اور بے لگام خواہش پسندی کی وجہ خالص ماڈرن تعلیم اور مردوزن کا اختلاط ہے، ان بچوں کو ایسے ماحول میں تعلیم دی جارہی ہے، جہاں شرم وحیاء کا نہ صرف فقدان ہے؛ بل کہ اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اسے ترقی کی راہ میں رکاوٹ باور کرایا جاتا ہے، مذہب کو انسان کا ذاتی اور گھریلو معاملہ کہا جاتا ہے، اور ''انسانیت مذہب سے بلند تر چیز ہے''

جیسے الفاظ ان کے کانوں میں بار ہا ٹکراتے ہیں، جہاں ''سارے مذاہب یکساں ہیں'' مقبول ترین جملہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں لاشعوری طور پر بچوں کے دل ودماغ میں یہ بات پیوست ہوجاتی ہے کہ ہمارا مسلمان ہونا ایک اتفاقی چیز ہے (نہ کہ خدا کے فضل وانتخاب کا نتیجہ) اور اس وجہ سے ہے کہ ہم ایک مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئے اور ہمارا کلاس فیلو ستیش ہندو اس لئے ہے کہ اس کی پیدائش ایک ہندو گھرانے میں ہوئی ہے، یہ باتیں تیزی سے ان کے وجدان واحساس پر اس لئے اثر ڈالتی ہیں کہ وہ عمر کے اس دور میں ہوتے ہیں جس میں ان کے جسم کی نشو ونما کے ساتھ، ان کا شعور و احساس، فکر وخیال بھی پروان چڑھتا ہے، عام طور پر ماڈرن تعلیمی ادارے تین سے چار سال کی عمر میں بچوں کا داخلہ لیتے ہیں، نرسری سے دسویں کلاس تک تیرہ سال خرچ ہوتے اور بچے کی عمر سولہ سے سترہ سال تک پہونچتی ہے، ماہرینِ نفسیات کے مطابق ذہنی وفکری تعمیر وتخریب کا سب سے اہم زمانہ یہی ہوتا ہے۔

.....فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن معاملہ اب صرف لادینیت تک محدود نہیں ہے، بل کہ اس سے بڑھ کر بہت سے پرائیویٹ اسکولوں کے رویے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ایک خاص مذہب کو ترجیح حاصل ہے، اور اس مذہب کے عقائد وافکار، رسومات وتشخصات کو مسلم طلبہ کے اندر بھی داخل کرنے کی دانستہ کوشش کی جاتی ہے، اور ان کو اس عمل پر اس وجہ سے جرأت ہوتی ہے کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس، عصری تعلیمی ادارے نہیں ہیں، کوئی متبادل نظام نہیں ہے، اور انہیں ہمارے یہاں ہر حال میں آنا ہوگا، آیئے چند حقیقی واقعات سے ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ راقم السطور کے علاقے کے ایک اسکول میں ایک دن اسمبلی (ترانے) میں تمام بچوں (جن میں مسلم بچے بھی تھے) کی پیشانیوں پر سرخ نشان لگایا دیا گیا، بچوں کی جانب سے دبے لفظوں میں احتجاج کو ناقابل اعتناء سمجھا گیا، گھر جا کر بچوں نے والدین کو بتایا، بعض والدین نے اعتراض جتایا تو جواب ملا: اس میں کیا حرج ہے۔

۲۔ دہلی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم ایک چھ سالہ بچے کو اس کی ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا: بیٹا الحمدللہ ہم مسلمان ہیں، بیٹے نے برجستہ جواب دیا: نہیں میں تو..........ہوں، مسلمان نہیں ہوں، ماں نے انتہائی حیرت سے پوچھا کیوں؟ معصوم بچے نے جواب دیا: اسکول میں سر کہہ رہے تھے کہ

مسلمان گندے، جاہل اور بھکاری ہوتے ہیں، جو مسجدوں کی سیڑھیوں پر بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں جب کہ........ پڑھے لکھے اور مہذب ہوتے ہیں۔

۳۔ میں اپنے ایک دور کے عزیز کے گھر کسی کام سے گیا ہوا تھا، ان کا بیٹا جو ایک معیاری اور معروف مشنری اسکول میں دسویں کلاس سے فارغ ہونے والا تھا، میں نے اپنی دل چسپی کے مطابق اس سے اس کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کئے، ایک سوال آگے کی تعلیم کے سلسلے میں تھا، اس نے کہا: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کے علاوہ کہیں بھی جائینگے، میں نے اس کی وجہ معلوم کی تو اس نے بتایا کہ ''ان دونوں جگہوں پر اسلامی اور دینی ماحول ہے اور میں مذہب کو گھر کی چیز سمجھتا ہوں تعلیم وغیرہ سے اس کا کیا تعلق'' یہاں پر مشنریوں کے تعلق سے کسی باخبر کی وہ بات یاد کیجئے کہ ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو عیسائی بنالینا ہی نہیں ہے؛ بلکہ اسلام کے تئیں ان کے اعتماد یقین کو متزلزل کرنا بھی ان مقاصد میں شامل ہے۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی نے تقریباً ایک صدی قبل اسی قسم کے اداروں کے تعلق سے کہا تھا!

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ظلمت شب میں امید کی کرن

ان تشویشناک باتوں کے درمیان ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ معاملہ سنگین ضرور ہے؛ تاہم ابھی بے قابو نہیں ہے، اگر ملت کے علماء، زعماء، دانشوران اور اصحابِ خیر اس جانب فوری اور وسیع پیمانے پر توجہ فرمائیں تو ان شاء اللہ جلد از جلد اس خطرے کو نہ صرف ٹالا جاسکتا ہے؛ بل کہ ملت کے دینی مستقبل کو ایک طویل عرصے تک محفوظ بھی کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ

میں اپنی ناقص عقل وفہم کے باوجود، ملک کے موجودہ حالات کے جائزے، اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر بار بار طالب علمانہ نگاہ ڈالنے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت اسلامیان ہند دینی و مذہبی اعتبار سے اپنی تاریخ کے دوسرے سب سے نازک موڑ پر کھڑے ہیں، پہلا موقع ۱۸۵۷ء میں آیا تھا: حکومت (برائے نام ہی سہی) چھن گئی تھی، انگریز فاتح قوم کی حیثیت سے ملک پر قابض ہو گئے تھے، جو عیسائیت کے پیروکار تھے اور عیسائیت اس وقت دنیا میں سب سے تیز رفتاری

سے پھیلنے والا مذہب تھا، انگریز اپنے مذہب کے حامی ہی نہیں داعی اور مبلغ بھی تھے، وہ اپنی سیاسی کامیابی کو اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل اور اس کی برکات کے طور پر پیش کرتے تھے اور مفتوح قوموں کی ساری ناکامیوں کو ان کے عقائد اور مذہبی پابندیوں کا نتیجہ کہتے تھے، ایسے حالات میں ذہنی ارتداد اور مذہبی آزادی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، اس پس منظر میں ٹیپو سلطان شہیدؒ جیسی راسخ العقیدہ اور متدین شخصیت کے بیٹوں کے عقیدے کی خرابی کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔(۲)

اُس وقت اسلام کے وجود پر خطرہ منڈلا رہا تھا؛ کیوں کہ علماء کا وجود ہی خطرے میں تھا؛ اور کسی بھی مذہب کا بقاء اس مذہب کے علماء کے بغیر ناممکن ہے، علماء غداری کے الزام میں تہہ تیغ کر دیئے گئے، یا کالا پانی میں قید کر دیئے گئے یا پھر انہوں نے ہجرت کا راستہ اختیار کیا، علماء پیدا کرنے والی دینی درس گاہیں دم توڑ چکی تھیں، لیکن اللہ نے اپنے کچھ مخصوص بندوں کو سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لئے بر وقت خبردار کیا، انہوں نے عوامی امداد پر دینی مدارس کا سلسلہ قائم فرمایا، جس کے نتیجے میں اسلام محفوظ ہو گیا اور اس کی جڑیں اسلامی معاشرے میں گہرائی تک پیوست ہو گئیں۔ **فللّٰہ الحمد والمنة۔**

دوسرا نازک ترین موقع اب آیا ہے، جس سے ملت اسلامیہ گذر رہی ہے؛ کسی مذہب کے لئے دو سب سے بڑے چیلنج ہوتے ہیں۔ ایک اس کا وجود و بقاء، دوسرے اس مذہب کا اس کی اصل پر باقی رہنا، یعنی مذہب کا تحریف سے اور اس کے ماننے والوں کا فکری انحراف سے مامون رہنا، عیسائیت اس دوسرے قسم کی آزمائش سے دوچار ہوئی اور شکست کھا گئی، پولس (pols) نے عیسائیت کو ختم نہیں کیا، نہ ہی کر سکتا تھا؛ کیوں کہ کسی مذہب کی سیاسی مخالفت اسے مزید استقبال و استحکام بخشتی ہے، ہاں اِس نے عیسائیت کا ہمدرد بن کر اس کی روح کو ختم کر دیا اور اس کو یکسر تبدیل کر دیا؛ اس نے توحیدِ خالص کی تعلیم کو بڑی چابک دستی سے تثلیث، حلول و تجسم کا روپ دے دیا (عیسائیت کیا ہے: ۲۸ تا ص: ۹۶)۔

پولس اگر یہودی تھا تو دورِ حاضر کے یہودی دماغوں نے بھی اسلام کو اس کی اصل سے ہٹانے اور مسلمانوں میں فکری انحراف پیدا کرنے کو اپنا نصب العین بنالیا ہے، پولس کو کامیابی اس وقت ملی جب اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ لیا، اور عیسائیوں کا ہمدرد بن بیٹھا، اسلام کو بھی داخلی طور پر مجروح کرنا اور اس کی روح پر ضرب لگانا اسی وقت ممکن ہوگا جب اس کے ''روایتی'' اور ''بنیادی'' افکار ونظریات پر اس طبقے کی طرف سے آواز اٹھنا شروع ہوگی جو خود مسلمان ہوگا ''اعتدال پسند مسلمان'' کہلائے گا، اسلام کو دوبارہ ''عزت'' دلانے کے لئے بے قرار ہوگا۔

مصر میں داڑھی رکھنے پر، ترکی میں عربی زبان میں اذان دینے اور عورتوں کے لئے حجاب پہننے پر پابندی اقوام متحدہ نے نہیں لگائی تھی ؛ بل کہ جمال عبدالناصر اور کمال اتاترک جیسے افراد نے لگائی تھی جو خود مسلمان تھے ، یہودیوں کے دشمن کہلاتے تھے ، جمعہ اور عید کی نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے، قرآن کی محفلیں قائم کرتے تھے، وہ ''مسلمان'' تھے اسی لئے ان کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ بھی ہوئی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی ؛ بالکل اسی طرح جس طرح پولس کی آخری رسومات عیسائی مذہب کے مطابق ادا کی گئیں ، وہ مسلمانوں کے ایک طبقے کے نزدیک اسلام کے ''ہیرو'' تھے جیسے پولس آج بھی عیسائیوں کا ہیرو ہے۔

ہندوستان میں (برصغیر نہیں کیوں کہ اب پڑوس کے ملک میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں) اب تک مسلمان داڑھی کو واجب سمجھتے ہیں، اذان تو دور، جمعہ کا خطبہ بھی مقامی زبان میں دینے پر راضی نہیں، فلم سازی و بنی کے حرمت کے قائل ہیں، سود کی حرمت کو معاشی ترقی میں رکاوٹ سمجھ کر اس کے جواز کا مطالبہ نہیں کرتے ، اسلام کی جدید کاری کا تقاضا نہیں کرتے ، علماء کو قوم پر بوجھ نہیں رحمت سمجھتے ہیں اور مدارس کو اسلام کے قلعے یقین کرتے ہوئے اس میں کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کے سخت خلاف ہیں ؛ ''اسلام میں مرد و زن میں کوئی تفریق نہیں ہے ؛ اصل پردہ دل کا ہوتا ہے، اس لئے عورتوں سے پردہ اٹھا دینا چاہئے'' ، جیسی کوئی بات نہیں کہتے ؛ کیوں کہ ان میں ''کمال اتاترک'' اور'' جمال عبدالناصر'' پیدا نہیں ہوئے یا پیدا ہوئے تو وہ مسلمانوں کے ہیرو نہیں بن سکے۔

یہ سب اس وجہ سے ممکن ہوا کہ میکالے کے تعلیمی فارمولے کو یہاں کے مسلمانوں میں کبھی قبول عام حاصل نہیں ہوا ، بالفاظ دیگر مسلم رہنماؤں نے اس سانپ کا تریاق تلاش کرلیا ، انہوں نے مدارس کے پہلو بہ پہلو ابتدائی عصری تعلیم کے لئے مکاتب کا ایسا جال پھیلایا کہ مسلم بچے اسلام کے بنیادی عقاید افکار میں پختہ ہو کر میکالیائی نظام تعلیم میں داخل ہوئے تو ذہنی وفکری طور پر انگریز بن کر نہیں ؛ بل کہ اقبالؒ اور اکبرالہ آبادیؒ جیسے مغربیت، الحادیت اور عقلیت پسندی کے مخالف بن کر نمودار ہوئے۔

کیا یہ برصغیر کے مسلمانوں کی بیدار مغزی نہیں کہ عصری تعلیم کو جائز سمجھنے اور اس کی معاشی اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود علی گڑھ کالج (جو مسلمانوں کا ادارہ سمجھا جاتا تھا) میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے حوالے سے اس وقت تک محتاط رہے جب تک انہیں یہ اطمنان نہیں ہوگیا کہ وہاں کے ماحول میں ہماری نسلوں کے ایمان وعمل کے حفاظت ممکن ہے (۳)

لیکن اب ہمارا یہ امتیازی سرمایہ سخت خطرے میں ہے، اور اس کے اسباب خارجی کم، داخلی زیادہ ہیں؛ ایک بار پھر میں اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم ایسے فیصلہ کن دوراہے پر کھڑے ہیں کہ یا تو اسلام اپنے تشخصات کے ساتھ اور مسلمان فکر ونظر کی سلامتی کیساتھ اس ملک میں صدیوں تک باقی رہیں گے؛ یا آئندہ چند دہائیوں میں یہ دیس مسلمانوں کے لئے اسپین تو نہیں (۴) لیکن مصروتر کی ضرور بن جائے گا۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے (آئین میں اقلیتوں کو دیئے گئے حق کو استعمال کرتے ہوئے) عصری تعلیم کے ابتدائی اور ثانوی ادارے قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، جہاں اسلامی ماحول میں دین کی ضروری تعلیم سے بھی طلبہ کو آراستہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کی اکثریت انہیں اداروں سے گذر کر آگے بڑھتی رہی تو پھر کوئی خارجی طاقت زندگی کے کسی مرحلے میں نئی نسل کو متزلزل نہیں کر سکتی؛ اور اگر اس خطرے کو بھانپنے میں چوک ہوگئی، یا اس کا مقابلہ کرنے میں ہم پیچھے رہ گئے (لا قدر اللہ ذلك) تو پھر وہ دن دور نہیں جب اس ملک میں موثر پیمانے پر لبرل مسلمان پیدا ہوں گے جو کبھی راشد شاذ (۵) بن کر علماء ودینی اداروں پر حملہ آور ہوں گے تو کبھی طارق فتح کی شکل میں قرآن کریم کی منمانی تشریح کریں گے، شبانہ اور منیش کی کہانیاں وجود میں آئیں گی اور دھنک جیسی سنستھائیں بنیں گی۔

گذشتہ بیس سالوں میں ''اسلامک اسکولوں'' کے فقدان کی وجہ سے اغیار کی تعلیم گاہوں سے استفادہ کر کے جو نسل پروان چڑھی ہے، وہ اپنی فکری آزادی میں '' لبرل'' مسلمان ہی ہے، میرا ایک مرتبہ دہلی کی ایک پوش کالونی میں جانا ہوا، جہاں سارے رہائشی مسلمان تھے؛ گارڈن میں گھومتی ٹہلتی عورتوں کو دیکھ کر یورپ کے کسی ملک کا تصور ہوا؛ مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو امام صاحب نے مسجد میں بیان کے لئے کہا، ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ پردے کے موضوع پر خطاب نہ کریں۔ بعد میں ناچیز نے اس کی وجہ معلوم کی تو بتایا گیا کہ رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر کسی خطیب نے پردہ کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر بیان کر دیا تھا تو عورتوں نے احتجاج درج کرایا جس کی وجہ سے مردوں نے یہ طے کر دیا کہ اب پردہ پر کبھی بیان نہیں ہوگا۔ ؎

پوچھا جوان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟ ! کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا۔

آخری بات

مفکرِ اسلام مولانا علی میاں ندویؒ کی اس اپیل پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

''مانٹیسری قسم کے (انگلش) اسکول اب ضروری ہوگئے ہیں، میں مدرسے کا آدمی ہوں، اب بھی مدرسے کا ہی خادم ہوں؛ لیکن اس کے ساتھ میں آپ سے کہہ رہا ہوں، آپ اب زمانے کے تیور کو سمجھئے، اور آپ ہر جگہ ایسے اسکول قائم کیجئے، جہاں اچھے، خوش حال، تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں، مسلم بچوں کے لئے ایسے اسکولوں کا قائم کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے، جہاں بقدرِ ضرورت دینیات سے واقفیت ہوجائے، نماز روزے کے پابند ہوجائیں، اردو پڑھ لکھ سکیں، اور وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں؛ پھر یہ بھی ہے کہ جو غیر مسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں، آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہئے، آپ کے بچے جب وہاں جائیں تو وہ ان کے مقابلے میں بہتر ہوں؛ اگر آپ اس میں کامیاب ہو لئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے، اور کبھی یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کوئی غلط کام کررہے ہیں (تحفۂ انسانیت ص:۸۶)۔

امید ہے کہ میری گذارشات صدا بصحرا ثابت نہیں ہونگی۔

مایوس نہ ہوان سے اے رہبرِ فرزانہ! کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

حواشی

(۱) غالب نے کہا ہے: کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔ علامہ نجیب الدین سمرقندی نے طب کی معروف اور مأخذ کی حیثیت رکھنے والی کتاب: العلل والاسباب میں عشق کو نفسیاتی بیماری کہا ہے۔

(۲) سلطان شہیدؒ کے بیٹوں خصوصاً بڑے بیٹے کو کلکتے میں، عبدالرحیم نامی انگریزی تعلیم یافتہ شخص نے واجب الوجود رسالت اور وحی کا منکر بنادیا تھا، جو سید احمد شہیدؒ کی کوششوں سے دوبارہ صحیح العقیدہ ہوگئے (سیرت سید احمد شہیدؒ ج ۱ ص ۳۲۷ تا ۳۳۰)۔

(۳) علی گڑھ سے مسلمانوں کی ایک طویل عرصے تک دوری کی وجہ یہ نہیں تھی کہ علماء نے انگریزی تعلیم کے حرمت کے فتوے دیئے تھے، یا مسلمان انگریزی تعلیم کو حرام سمجھتے تھے، جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، بل کہ اس کی وجہ سرسید کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ ان کے بعض عقائد، جمہور سے الگ ہیں۔ ، اور مسلمان انہیں ''فتنۂ ملت بیضاء'' اس لئے گردانتے تھے کہ وہ ''مسلماں کو سلاطیں کا پرستار'' بنانے کے لئے کوشاں تھے۔

(۴) ناچیز کی رائے میں ہندوستان مسلمانوں کے حق میں کبھی دوسرا اسپین (نان مسلم اسٹیٹ) نہیں بن سکتا، اس کی وجہ مدارس دینیہ کے ساتھ نسلی اور جغرافیائی حالات بھی ہیں۔

(۵) راشد شاز اسلام میں جدید کاری کے جدید علمبرداروں میں ہیں، بہار سے تعلق ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، ان کے افکار وخیالات میں پسپائیت کا عنصر غالب ہے، دارالعلوم دیوبند نے انکے انحرافات پر تفصیلی فتوی جاری کیا ہے، ان کے افکار کو سمجھنے کے لئے ان کی کتاب: مسلم ذہن کی تشکیل جدید کا مطالعہ کریں۔

نیٹ ورک مارکٹنگ (ملٹی لیول مارکیٹنگ) کی حقیقت اور شرعی حکم

مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ عزیزیہ، سہریا، نظام آباد، اعظم گڈھ

سوال:۔ آج کل بعض کمپنیاں مثلاً آر،سی،ایم (R.C.M.) اور ایموے (AMWAY) وغیرہ نے تجارت کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جسے نیٹ ورک مارکٹنگ یا ملٹی لیول مارکٹنگ کہا جاتا ہے، اس تجارت کا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت نہیں ہوتیں بلکہ جو شخص کمپنی کا ممبر بنتا ہے اس کو کمپنی کی مصنوعات فراہم کی جاتی ہیں۔ کمپنی کو کوئی ممبر جو ممبری فیس ادا کرتا ہے اس میں کچھ رقم کو متعینہ سامان کی قیمت قرار دیا جاتا ہے اور کچھ کو فیس رکنیت، ساتھ ہی ساتھ اس ممبر کو ایک اہم سہولت یہ دی جاتی ہے کہ وہ جن لوگوں کو ممبر بناتا ہے اور کمپنی کا سامان خریدنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اس پر کمپنی اسے کمیشن دیتی ہے، پھر یہ کمیشن صرف ان خریداروں تک محدود نہیں رہتا جن کو اس نے براہ راست خریدار بنایا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ بنے ہوئے خریدار سے آگے جو خریدار بنے ہوئے ہیں ان کی خریداری پر بھی پہلے شخص کو کمیشن ملتا رہتا ہے، اور مرحلہ وار یہ سلسلہ بہت آگے تک چلا جاتا ہے، بعض کمپنیاں تعلیم اور خاص کر کمپیوٹر تعلیم کے لئے اس طریقۂ کار کو اختیار کرتی ہیں اور اپنے گاہک کو سی، ڈی (C.D.) فراہم کر کے یہ شرط عائد کرتی ہیں کہ وہ غریب بچوں کو مفت تعلیم دیں، گویا انھوں نے اس میں تجارت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق اور اشاعت علم کے پہلو کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کا ممبر بن کر مذکورہ طریقۂ تجارت میں شریک ہونا شرعاً کیسا ہے؟ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں۔

جواب:۔ مذکورہ کمپنیوں کا ممبر بننا اور اس کے طریقۂ تجارت میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ملٹی لیول مارکیٹنگ کی مذکورہ شکلیں مختلف مفاسد اور خلافِ شرع امور کو شامل ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) مذکورہ معاملۂ بیع میں چونکہ رکنیت و ممبری (اجیر) کی شرط ہے جس کا عقد نہ تو مقتضی ہے اور نہ اس کے مناسب ہے، لہٰذا یہ صورت بیع بالشرط کے دائرہ میں آتی ہے جو کہ فاسد ہے، چنانچہ حدیث میں بیع بالشرط کی ممانعت ہے، **نهى النبى ﷺ عن بيع وشرط** (طبرانی) کہ نبی ﷺ نے بیع کے ساتھ کوئی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہدایہ اخیرین میں ہے: **كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق فيفسد** یعنی ایسی شرط کہ جس کا عقد مقتضی

نہ ہواور اس میں متعاقدین میں سے کسی کا نفع ہو، یا معقود علیہ جبکہ وہ اہل استحقاق میں سے ہو اس کا نفع ہو، تو یہ عقد بیع فاسد ہے۔ (ج:۳،ص:۴۳)

(۲) ممبر کے لئے ایک متعینہ رقم کا سامان کمپنی سے خریدنے کی شرط لگانا، یا اسی طریقہ سے ممبر کے لئے سی، ڈی فراہم کر کے غریب بچوں کو مفت تعلیم دینے کی شرط لگانا تقاضۂ بیع کے خلاف ہے، یہ صورت بھی بیع بالشرط کے دائرہ میں آتی ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔

(۳) اس طریقۂ تجارت میں ایک ہی عقد میں دو معاملات (دو سودے) ہوتے ہیں جسے حدیث میں منع کیا گیا ہے، ایک تو عقد بیع، دوسرے عقد اجارہ یعنی ممبر واجیر بننے کا تعاقد کہ جو ممبر ہوتا ہے وہ کمپنی کا اجیر بھی ہوتا ہے، اس کے ذمہ دوسروں کو ممبر بنانا، کمپنی کے کارکنوں کے ساتھ تعاون کرنا مثلاً کمپنی اور اس کے طریقۂ کار کا تعارف کرانا، اس کے سامان کی اہمیت بتلانا، لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنا، ان کو سمجھانا، اسی سب محنت کا اسے کمیشن ملتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: **نهی رسول الله ﷺ عن بیعتین فی بیعةٍ** اور ایک دوسری روایت میں ہے: **نهی رسول الله ﷺ عن بیعتین فی صفقةٍ** (مشکوٰۃ شریف، ج:۲،ص:۲۴۸) ایک اور روایت میں ہے: **نهی النبی ﷺ عن صفقتین فی صفقةٍ رواہ احمد** (ہدایہ اخیرین، ج:۳،ص:۴۴) تینوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ نبی کریم نے ایک ہی عقد میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) کمپنی کے مذکورہ طریقہ میں چونکہ کمپنی ممبر بننے والے کی کچھ رقم بلاتعیین سامان (مبیع) کی قیمت اور کچھ رقم ممبری فیس میں شمار کرتی ہے اس لئے مبیع کی قیمت بھی مجہول ہے جو کہ مفسد عقد ہے، **کما فی کتب الفقه**، اور ممبر واجیر کی اجرت جو کمیشن کی صورت میں ملتی ہے وہ اجرت بھی مجہول ہے، اور عقد اجارہ میں اجرت کی جہالت بھی مفسد عقد ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے: **لایصح حتیٰ تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة** کہ عقد اجارہ صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ منافع اور اجرت معلوم ہوں (ہدایہ اخیرین، ج:۳،ص:۲۷۷) اور البحر الرائق میں ہے: **إذا کان ماوقع علیه عقد الاجارة مجهول فی نفسه أو فی أجرة أو فی مدة الاجارة أو فی العمل المستاجر علیه فالاجارة فاسد** یعنی جس پر عقد اجارہ ہو اگر وہ فی نفسہ مجہول ہو، یا اجرت میں جہالت ہو، یا مدت میں جہالت ہو، یا متاجر کے عمل میں جہالت ہو تو اجارہ فاسد ہوتا ہے۔ (ج:۷،ص:۳۱۲)

(۵) جن لوگوں کو ممبر اول نے ممبر نہیں بنایا ہے بلکہ ممبر اول کے واسطے سے بنے ہوئے ممبروں نے ممبر بنایا ہے، تو ان کی خریداری پر بھی ممبر اول کو کمیشن ملتا ہے، یہ بلاعوض ومحنت کے ہے، جو کہ رشوت اور شبہ ربوٰ کے دائرے میں آتا ہے جو کہ شریعت میں حرام ہے۔

(۶) ممبر کے اجیر اور مشتری ہونے کی صورت میں کمپنی نے ممبری فیس کے نام پر جو رقم لی ہے وہ رقم

بلا وجہ اور بلا عوض ہے، وہ بھی رشوت اور شبہ ربوٰ کے دائرے میں آتی ہے اور حرام ہے۔

(۷) اس نظامِ تجارت میں دھوکہ اور غرر بھی ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ آخری ممبر کے لئے کوئی آدمی ہی نہ بچے جسے یہ کمپنی کا ممبر بنا سکے، یا یہ کہ کبھی کمپنی کی اسکیم فیل ہوجائے اور کمپنی بیٹھ جائے (اور ایسا ہوتا رہتا ہے) تو کمپنی فیل ہونے سے کچھ ہی پہلے یا ایک دو روز پہلے جو ممبر بنے ہیں جن کی تعداد پورے نیٹ ورک میں بہت ہوسکتی ہے، تو اب ان تمام آخری ممبروں کو ممبر بنانے کا موقع ہی نہیں ملا، کیونکہ کمپنی فیل ہوچکی ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں ان آخری ممبروں کو نہ تو کوئی کمیشن وفائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی ان کی رکنیت فیس واپس ملے گی، یہ ایک قسم کا دھوکہ وغرر ہے، جو عقد بیع میں لازم آیا ہے جسے شریعت میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: **نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر**، کہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور فقہی قاعدہ **لاضرر ولاضرار فی الاسلام** (کہ اسلام میں نہ دھوکہ کھانے اور نہ دھوکہ دینے کی اجازت ہے) کی رُو سے بھی یہ معاملہ غیر شرعی ہے۔

(۸) کمپنی کی اس اسکیم میں قمار (جوا) کا بھی پہلو ہے، اس لئے کہ اس میں شریک ہونے والا جو مال لگاتا ہے وہ اس خطرے سے ہمیشہ دوچار رہتا ہے کہ اس کو اپنے مال کے عوض نفع حاصل ہوگا یا نہیں، کیونکہ وہ شخص باوجود محنت وکوشش کے ممبر نہ بنا سکے تو اس کو اپنی رکنیت وممبری فیس کے عوض یا اپنی محنت وکوشش کے عوض کوئی نفع بھی حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی ممبری فیس واپس ملے گی، بلکہ ممبری فیس کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوا، یا بلفظ دیگر ایسی صورت میں ممبر کا نقصان ہوا اور کمپنی کا فائدہ۔

(۹) اس طریقۂ تجارت کی بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں میں زیادہ دیر اور زیادہ دور تک چلنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، کیونکہ جن علاقوں میں یہ کمپنی پہونچی اور جن کو ممبر بننا سمجھ میں آیا وہ اگر چند ہی دن میں ممبر بن جائیں تو اسی حد پر جا کر کمپنی کا نظام رک جائے گا، اس صورت میں تمام آخری ممبروں کو کمپنی کی طرف سے نہ کوئی کمیشن ملے گا اور نہ ہی ممبری فیس واپس ہوگی، ان شرکاء کا نقصان اور کمپنی کا فائدہ ہوا، لہٰذا اس معاملہ میں دھوکہ بھی ہے اور قمار (جوا) بھی۔

(۱۰) ان کمپنیوں کے طریقہ میں دھوکہ وفریب کی بابت بعض علاقوں میں بہت سے لوگوں کا تجربہ ہے، بلکہ بعض کمپنی کے ممبر اور شریک تجارت ہونے والوں کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ دراصل اس طرح کی کمپنیاں بہت معمولی لوگوں کو مثلاً چھ سات فیصد لوگوں کو کمیشن دے کر چورانوے فیصد لوگوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان کی رقمیں صرف حاصل کرتی ہیں، یا کبھی دیکھا کہ ایک حد تک ممبر بن چکے ہیں اور خاصی رقم ممبری فیس کی صورت میں کمپنی کو حاصل ہوچکی ہے بس اچانک سننے میں آیا کہ کمپنی فیل ہوگئی اور اس کے ذمہ دار وکارکنان لاپتہ ہوگئے۔ **ھٰذا ما خطر ببالی والعلم عند اللہ وعلمہ أتم وأحکم**

☆☆☆☆☆

سہ ماہی

مجلہ

رشد وہدایت

۳ ۴

اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی



مدیر مسئول

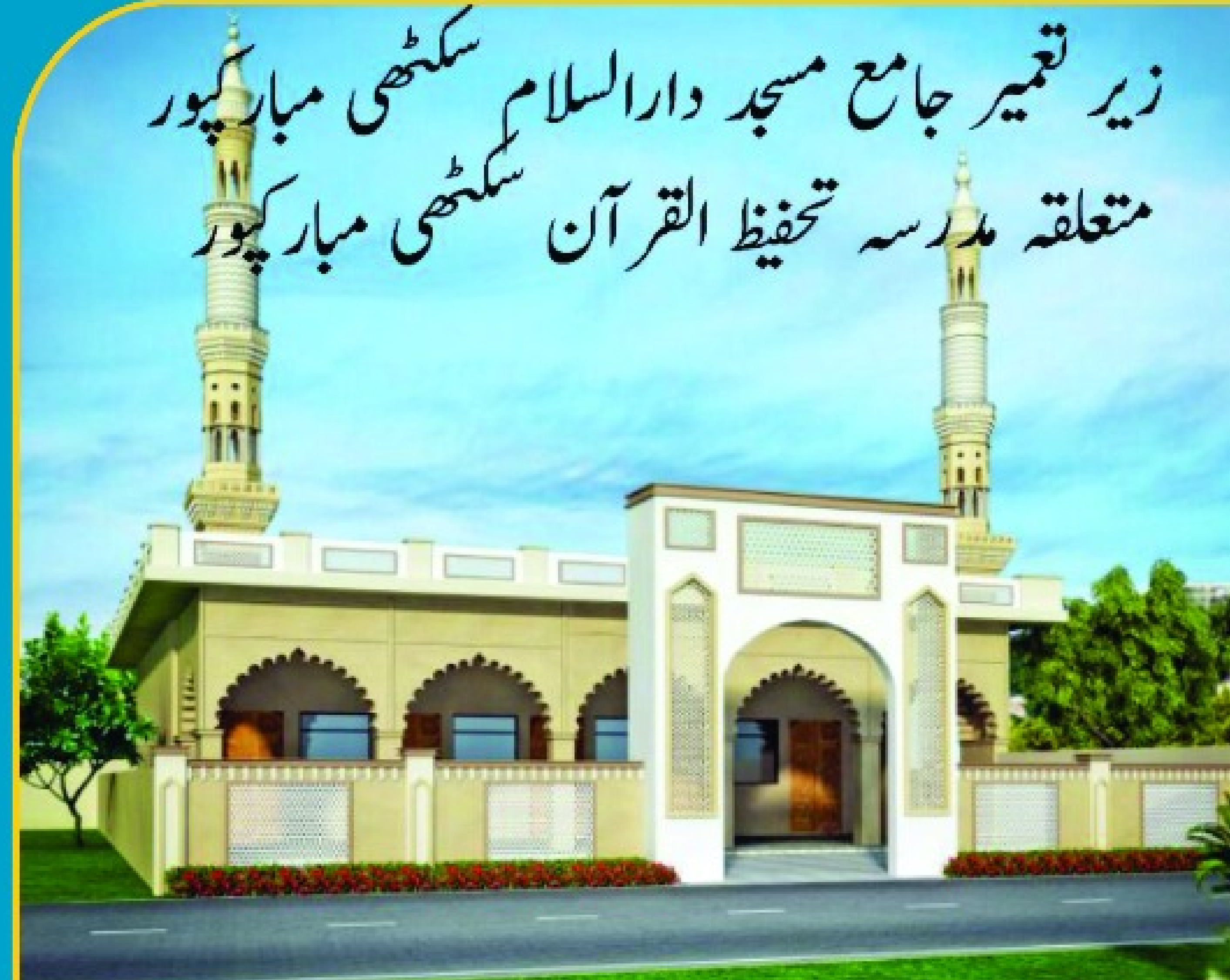
مولانا عبدالعظیم قاسمی

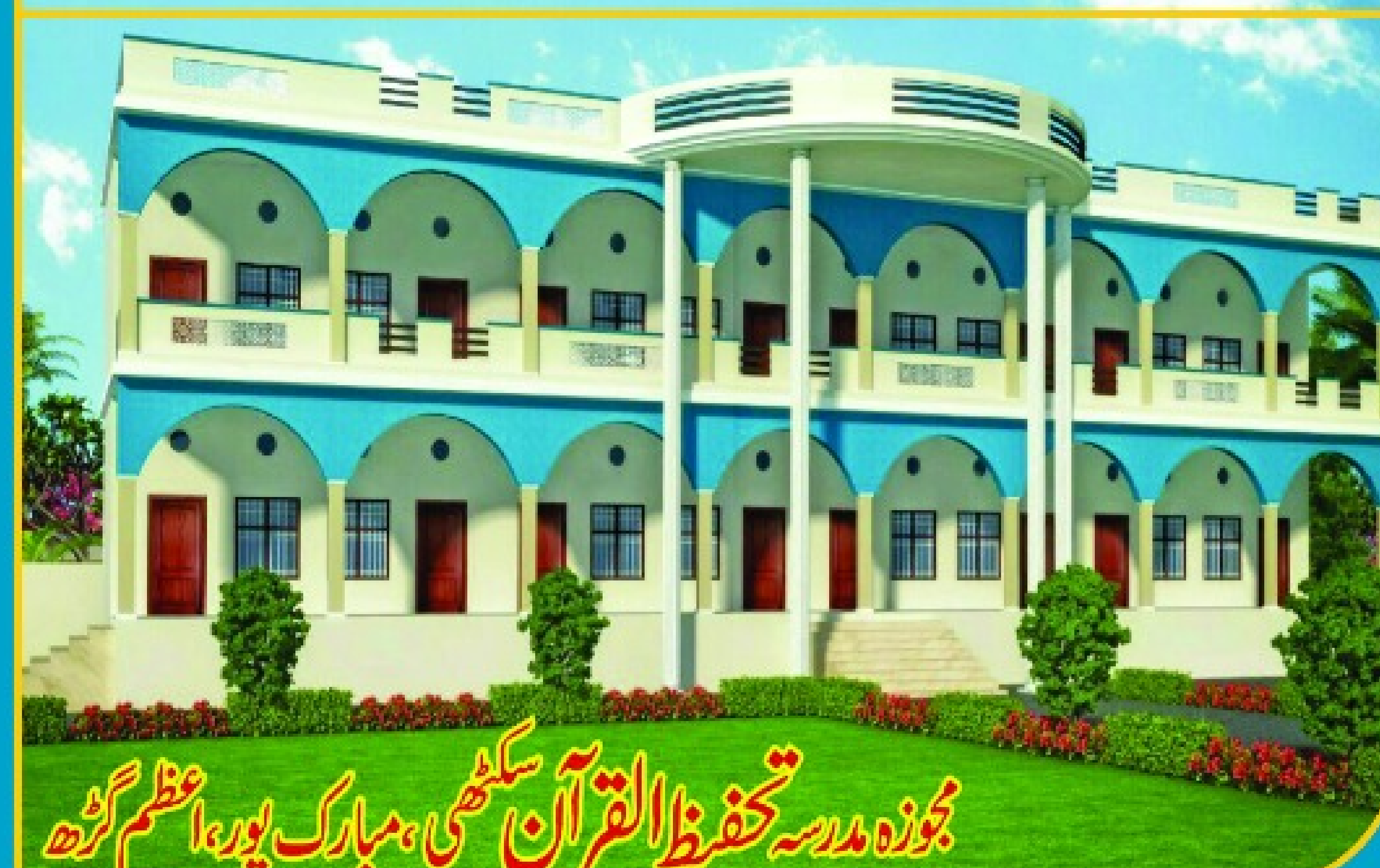
مرکز اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com





MADRASA TAHFIZUL-QURAN

Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۲ | رجب تا ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ (اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء) | شمارہ نمبر:۳/۴

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

اس شمارے کی قیمت =/50

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

افتتاحیہ ✍ بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

﴿لَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَکُمْ﴾ (سورۂ ابراہیم:۲۲)

قرآن کریم کی اس مختصر سی آیت میں ہر صاحب ایمان کو لرزا دینے والی بات ہے، جو اپنے معاصی اور اپنے مسائل کا ذمہ دار دوسروں کو مان کر اپنی طرف سے تاویل پیش کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ دوسرے کو معاصی وسیئات اور نافرمانیوں کی راہ پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے فہم وفراست کی صفت سے بھی نوازا ہے، اس کے سامنے وہ تمام وسائل و ذرائع بھی ہیں کہ اچھے برے اعمال وافراد میں تمیز کر سکے، پھر بھی حق کی راہ اختیار نہ کرے اور اپنے دشمن دوست میں تمیز نہ کر سکے تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا۔

ابلیس جہنم میں ان گناہ گار مسلمانوں سے کہے گا جو اپنی ہلاکت وبربادی اور عذاب الٰہی سے دوچار ہونے کا الزام شیطان کو دیں گے کہ تمہاری ہی وجہ سے ہم کو یہ انجام دیکھنا پڑا، نہ تم بہکاتے، نہ ہم تمہارے دھوکے میں آتے، نہ اس مصیبت سے دوچار ہوتے، تب وہ کہے گا: دیکھو مجھے الزام مت دو، بلکہ اپنے آپ کو کوسو اور برا بھلا کہو، میں نے تو وہی کیا ہے جو مجھ کو کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تم کو میرے بارے میں بتا دیا تھا اور بار بار تاکید کی تھی کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا، پھر بھی تم لوگ مجھ پر اعتماد کرتے رہے؛ کیوں کہ تم کو دنیا کی چمک دمک اور نفس پرستی میں مزا آرہا تھا، اب بھگتو اپنے کئے کا انجام۔

﴿لَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَکُمْ﴾ کا استحضار ہم کو ہر جگہ ہونا چاہئے، وہ کون سی خطرناک اور ہلاکت انگیز بات ہے، یا کون سی راہ اور افراد ہیں جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پہلے سے نہیں بتا دیا ہے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ تمہارے شدید ترین دشمن یہود ومشرکین اور نصاریٰ ہیں۔ اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ اہل کتاب یا مشرکین کو اپنا دلی دوست وہمدرد ہرگز مت سمجھنا، وہ کوئی بھی موقع تمہارے بگاڑ وفساد کا نہیں چھوڑیں گے، ان کے

وعدوں اور تسلیوں میں بھی تمہاری بربادی کا زہر ملا ہوگا، تم سے اپنے مفاد کی حد تک رواداری کریں گے، لیکن تم کو ضرر پہنچانے سے ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہود ونصاریٰ (یورپ وامریکہ واسرائیل) اسی صورت میں تم سے خوش ہوں گے جب تم پوری طرح ان کے طریقوں پر چلنے لگو گے۔ ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۱۲۰)

لہٰذا ذبیحہ پر پابندی ہو یا طلاق ثلاثہ اور یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہو، یا اذان پر اعتراض ہو، یا دہشت گردی وانتہا پسندی اور گھر واپسی جیسے معاملات ہوں، سب کا رشتہ اسی فطری عداوت سے ملا ہے، اسی طرح امریکہ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی ہو، فرانس میں حجاب ونقاب پر پابندی ہو، یا بہت سے ملکوں میں حلال فوڈ کے خلاف آوازیں بلند ہونے کی باتیں ہوں، ان سب کا تعلق نہ انتظام حکومت سے ہے، نہ اخلاقیات وروایات سے اور نہ ہی حقوق انسانی سے متعلق ہے، ورنہ ایک ہی حرکت جب کوئی یورپی یا ہندو کرتا ہے تو وہ دیش بھگتی بن جاتی ہے اور جب کوئی مسلمان کرتا ہے تو دہشت گردی کہلاتی ہے، ایک کمیونٹی جو گوشت نہیں کھاتی، اس کے تہوار پر جبریہ دکانیں بند کرادی جاتی ہیں، حکومت خاموش رہتی ہے، اگر کسی مسلم تہوار پر قربانی واجب ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے، کسی مندر سے رات بھر بھجن ہری کرتن ہوتا رہے تو مذہب پر عمل ہورہا ہے اور کسی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دی جارہی ہے تو فضا میں صوتی آلودگی اور دوسروں کو اذیت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

جب یہ حقائق ہمارے سامنے ہیں اور قرآن وحدیث میں ہمارے کھلے چھپے دشمنوں کی پوری تفصیل موجود ہے، اس کے بعد بھی مسلمان ان ہی پر انحصار واعتماد اور ان ہی سے تعلقات وروابط کا جنون پالے رہیں اور نقصان درنقصان سے دوچار ہوتے رہیں، پھر بھی انھیں کو الزام دیتے رہیں تو وہ کہہ سکتے ہیں: ﴿لَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اسلام نے انسانی بنیادوں پر کسی غیر مسلم سے ربط رکھنے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا درس بھی تاکید سے دیا ہے، لیکن دین وعقیدہ کو برکنار کرنے کی حد تک نہیں، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، اپنے سماج کے لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کرنے، اخلاق ورواداری سے پیش آنے، مذہب وعقیدہ اور قوم وبرادری کی بنیاد پر کسی سے ناانصافی اور بداخلاقی روا نہیں ہے۔ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (سورہ مائدہ:۸) کسی قوم کی عداوت تم کو اس سے ناانصافی پر آمادہ نہ کرے، تم ان سے انصاف کرو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (بقیہ صفحہ ۷۷ پر)

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

از:۔ مدیر تحریر

اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں پر مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش کے لمحات کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے، عصر حاضر کے مسلمان ہوں یا گزشتہ دور کے، وقتاً فوقتاً اس طرح کے حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں، اور یہ سب ایک قدرتی نظام کے تحت ہوتا ہے، حالات میں اتار چڑھاؤ اور نشیب وفراز آتے رہتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح مسلمانوں کی عظمت وشوکت، رفعت وبلندی، امن وسلامتی اور خوشحالی وشادکامی کے اسباب وعوامل ہیں اسی طرح ان کی ذلت ورسوائی، پس ماندگی وزبوں حالی اور کم سوادی وحرماں نصیبی کے بھی اسباب اور وجوہات ہیں، اور جس عہد میں اور جس دور میں بھی مثبت یا منفی اعتبار سے یہ اسباب پیدا ہوں گے، ان کے اثرات بہرحال ظاہر ہوں گے۔ دونوں صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمانا مقصود ہے کہ آیا وہ ہمارے ساتھ تعلق ومحبت میں صادق ہے یا صرف گفتار کا غازی ہے۔

ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ خوشی مسرت کے لمحات اور آسائش وراحت کے ایام میں بھی خدا کو نہ بھولے اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے تعلق مع اللہ کے رشتے کو پختہ سے پختہ تر بناتا رہے، اور جب اس پر مصائب ومشکلات اور حوادث وآفات کی گھٹائیں چھانے لگیں اس وقت بھی وہ اپنا محاسبہ کرے اور اپنی مصیبت وپریشانی کا الزام دوسروں پر ڈالنے سے پہلے وہ ضرور غور کرے کہ آخر وہ کون سے اسباب وعوامل اور کوتاہیاں ہیں جن کی وجہ سے دشمنوں کو ہم پر بے خطر ٹوٹ پڑنے کا حوصلہ پیدا ہوا، ہم اپنی مشکلات کے خارجی اسباب کو تو فوراً تلاش کر لیتے ہیں اور چند الفاظ کہہ کر، کچھ نعرے لگا کر اور وقت کے حکمرانوں کو برا بھلا کر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا، لیکن ہماری نظر داخلی اسباب پر نہیں جاتی کہ ہمارے اندر کیا کمی ہے جس کی وجہ سے یہ حالات پیدا ہو رہے ہیں، پانی اگر اندر

سے مر رہا ہے تو باہر سے لاکھ بند لگائیں کبھی بھی اس سیلاب پر قابو نہیں پایا جاسکتا ہے، اپنی اصلاح ایک جگر کاوی کا عمل ہے، اس لئے ہم سے دور بھاگتے ہیں، حالانکہ زندہ قومیں سب سے پہلے اپنا احتساب کرتی ہیں اور اپنی کمزوریوں کو دور کرتی ہیں، اور مردہ وزوال پذیر قوموں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو ان کی کسی کمزوری پر باخبر کیا جائے وہ چراغ پا ہوجاتی ہیں۔ آج ہماری صورتحال کا جائزہ لیجئے، ہم انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر اور بحیثیت قوم مسلم کے اپنی ہر مشکل کا الزام دوسروں پر ڈالنے کے عادی ہیں، بار بار دھوکا کھانے کے باوجود اپنی پریشانیوں اور دشواریوں کا حل انھیں سے چاہتے ہیں اور انھیں اغیار کے در پر کاسۂ گدائی لے کر جاتے ہیں جن کی نفرت وعداوت کا برملا اظہار قرآن کریم کررہا ہے، یہ ذہنیت عوام الناس سے لے کر حکمراں طبقہ سب میں مشترک ہے۔ جبکہ گذشتہ صدیوں کے عام مسلمانوں اور علماء حق کے اندر اتنی جرأت وہمت ضرور تھی کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنے میں تاویل وتوجیہ نہیں کرتے تھے۔

میں دو واقعات پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ہماری بدحالی کے اصل اسباب وعوامل کیا ہیں:

> ''ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کا دور مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاء وآزمائش کا زمانہ ثابت ہوا، منگول سردار چنگیز خاں اپنے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ سمرقند وبخارا کی اسلامی خوارزم شاہی سلطنت کو تاراج کرنے کے لئے آندھی طوفان کی طرح اٹھا، اور معمولی مزاحمت کے بعد اس نے پوری سلطنت پر قبضہ کرلیا، قتل وغارت گری کا وہ بازار گرم کیا کہ الامان والحفیظ۔ بقول علامہ الجوینی چنگیز خاں نے نیشاپور وسمرقند کو برباد کرنے کے بعد جامع الکبیر میں شباب وکباب اور رقص وسرود کے ساتھ جشن فتح منایا، تیسرے روز اس نے عیدگاہ میں بخارا کے عمائدین واشراف کو جمع کیا اور کہا: ''تمہارا گناہ بہت بڑا ہے، میں اس کے محاسبہ کے لئے مامور کیا گیا ہوں۔ میں عذاب الٰہی ہوں، اگر تم نے کوئی بڑا گناہ نہ کیا ہوتا تو اللہ مجھ کو عذاب بنا کر نہ بھیجتا۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد اول)

اس کے کچھ ہی عرصہ کے جب بغداد میں مسلکی تنازعات اور شیعہ سنی اختلافات اپنے عروج پر تھے، شیعی وزیر علقمی کی دعوت پر چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور کشت وخون کا وہ بازار گرم کیا کہ برسات کے پانی کی طرح بغداد کی سڑکوں پر خون بہتا ہے، لاکھوں کتابوں کو اس نے دریا برد کردیا۔ جب حالات کچھ معمول پر آئے تو ہلاکو خاں

کی بیٹی ایک روز شہر میں گشت کر رہی تھی، ایک جگہ اس نے مسلمانوں کا مجمع دیکھا تو اس نے پوچھا کہ یہاں لوگ کیوں جمع ہیں؟ بتایا گیا کہ یہاں مسلمانوں کے ایک عالم ہیں لوگ ان کے پاس آئے ہیں، اس نے کہا کہ ان عالم کو یہاں لایا جائے، وہ لائے گئے اور ان سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

شہزادی: کیا تم لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے؟

عالم: یقیناً رکھتے ہیں۔

شہزادی: کیا تمہارا ایمان نہیں ہے کہ اللہ جسے چاہے غالب کرتا ہے؟

عالم: بےشک ہمارا اس پر ایمان ہے۔

شہزادی: تو کیا اللہ نے آج ہمیں تم لوگوں پر غالب نہیں کر دیا ہے؟

عالم: بےشک کر دیا ہے۔

شہزادی: کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ ہمیں تم سے زیادہ چاہتا ہے؟

عالم: نہیں،

شہزادی: کیوں نہیں؟

عالم: تم نے کبھی چرواہے کو دیکھا ہے جو اپنے ریوڑ کے پیچھے کچھ کتوں کو رکھتا ہے۔

شہزادی: جی، دیکھا ہے، وہ کتوں کو رکھتے ہیں۔

عالم: اچھا اگر کچھ بھیڑیں چرواہے کو چھوڑ کر ریوڑ سے نکل کر کسی اور طرف چلی جاتی ہیں اور چرواہے کے بار بار بلانے پر بھی اس کی جانب نہیں آتیں تو چرواہا کیا کرتا ہے؟

شہزادی: وہ اپنے کتوں کو ان پر چھوڑ دیتا ہے جو اُن کو اس وقت تک گھیرے رہتے ہیں اور ان پر غراتے رہتے ہیں جب تک وہ چرواہے کے پاس واپس نہیں آ جاتیں۔

عالم: یہی حال تمہارا ہے، تم اللہ کے چھوڑے ہوئے کتے ہو، مسلمانوں نے جب اپنے رب کی اطاعت ترک کر دی اور نفس پرستی، لہوولعب، اختلافات وتنازعات اور بےعملی میں پڑ گئے اور بار بار موقع ملنے کے باوجود اپنے رب کی اطاعت میں نہیں آئے، اپنا محاسبہ کر کے اصلاح نہیں کی تو اللہ تعالیٰ تم کو ہم پر مسلط کر دیا اور یہ تسلط اس وقت تک باقی رہے گا جب تک مسلمان اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع نہیں کر لیں گے، جس وقت یہ کام ہو جائے گا پھر تمہارا یہ تسلط بھی ختم ہو جائے گا۔

ہم چنگیز خاں کی تقریر اور عالم کی بات پر غور کریں۔ چنگیز خاں نے اپنے لشکر کو عذاب الٰہی کہا

تھا اور عالم نے بھی تاتاریوں کو عذاب الٰہی تسلیم کیا اور اس کے اسباب بتائے کہ مسلمانوں کی سربلندی وسرفرازی اور ان کے امن وسکون کا راز کسی ملک یا کسی جماعت سے وابستگی میں نہیں ہے، جو کچھ ہوتا ہے ان کے اعمال کے اچھے اور برے ہونے سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں ہم نے گزشتہ شمارے میں ایک حدیث قدسی پیش کی تھی جس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔(۱) لیکن دور حاضر کے مسلمان اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کیونکہ دین اور شعائر دین سے ہمارا رشتہ اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ ہم ہر چیز کو کسی نہ کسی ظاہری اسباب سے جوڑنے کے عادی ہو چکے ہیں، اور اس میں اس قدر انہماک بڑھ چکا ہے کہ جو طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ ہے وہ ہماری نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکا ہے۔

سرخروئی وسربلندی کی ایک اہم وجہ باہمی اتحاد واتفاق ہے، جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن ہماری اندرونی صورتحال یہ ہے کہ ہمیں مسلکی جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ہے ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف آستین چڑھی ہی رہتی ہے، ہمارے دینی جلسوں میں اس وقت تک رنگ ہی نہیں آتا جب تک کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کی دھجیاں نہ اڑادی جائیں، اور ان پر گمرہی وبدعقیدگی کی مہر اور کفر وضلالت کے فتوے نہ جاری کردئے جائیں، بات ہم ملت واحدہ کی کرتے ہیں اور حال ہمارا یہ ہے کہ مساجد جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ: **أن المساجد لله فلاتدعو مع الله أحداً** (کہ مسجدیں تو صرف اللہ کی ہیں، لہٰذا اس میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہ پکارو) ان کو بھی ہم نے مسلک کے اعتبار سے تقسیم کرلیا ہے، اور ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کی مسجد میں نہیں جاسکتے اگر کوئی چلا گیا تو اسے حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کی اختلافی خلیج کا حال یہ ہے کہ وہ روز بروز گہری ہی ہوتی جارہی ہے

(۱) **إن الله تعالیٰ يقول: أنا الله لاإله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك فی يدی وإن العباد إذا أطاعونی حوّلت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصونی حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسكم بالدعاء علی الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كی أكفيكم ملوككم (رواه ابو نعيم فی الحلية)**[مشکوٰۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت ومہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے کے برا بھلا کہنے اور ان پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔

اس کی شدت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، اس کے برعکس ہزاروں سال سے چار طبقے میں بٹے ہوئے ہندو محض مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں اکٹھے ہورہے ہیں، ایک دلت کو ہندوستان کا صدر بنادیا گیا ہے جو کبھی کسی نے سوچا بھی نہ تھا، لیکن مقصد کے حصول کے لئے سب کچھ گوارا کیا جارہا ہے، تاکہ جلد از جلد ہندوستان کو ہندوراشٹر بنادیا جائے۔ اور ادھر حال یہ ہے کہ ہماری طاقت کا راز جس میں پنہاں تھا اس سے ہم تہی دامن ہوچکے ہیں، اور اس الیکشن نے تو ہمارا بنابنایا بھرم بھی ختم کردیا ہے کہ ہم کنگ میکر یا بادشاہ گر ہیں۔ اب مسئلہ ہمارے شعائر کے تحفظ کا ہے، اس سلسلے میں آنے والے بیانات اب اقدامات میں تبدیل ہونے شروع ہوچکے ہیں، ہر آنے والا دن کس قدر تشویشناک ہوگا یہ سوچنا ہر فرد مسلم کی ذمہ داری ہے، اور جو کچھ کرنا ہے انھیں خود کرنا ہے، کسی اسلامی ملک سے مدد کی امید رکھنا محض خام خیالی اور فریب نفس ہے۔ وہ سب باتیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں جب ایک عورت نے **وامعتصما** (ہائے معتصم مدد کرو) کا نعرہ لگایا تو عباسی خلیفہ معتصم باللہ ایک لشکر جرار کے ساتھ پہونچ گیا، یا ایک قافلہ کی فریاد پر حجاج بن یوسف نے سندھ پر چڑھائی کردی۔ آج تو خود مسلم ممالک میں اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے افراد کا صفایا کیا جارہا ہے تو دوسروں کی مدد کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔

آج جو زمینی حقیقت ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ایک منتشر قوم متحد ہوکر طاقت وقوت کا محور بن جاتی ہے اور دوسری متحد قوم مختلف قسم کے تنازعات میں پڑنے کی وجہ سے کنارے لگادی جاتی ہے، اب اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرنے اور دوسروں کو الزام دینے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے اگر کسی چیز سے صورتحال میں تبدیلی آسکتی ہے تو صرف اس بات سے کہ ہر مسلمان چاہے وہ کسی بھی مکتبہ فکر کا ہو اگر اس کے دل میں ملت کا ذرا بھی درد ہے یا امت کی کچھ بھی فکر ہے تو اسے ذاتی اور مسلکی مفاد سے اٹھ کر ملت کے مفاد کو ترجیح دے، اس کام کے لئے بڑی قربانیاں دینی ہوں گی، بہت ساری خواہشات وجذبات سے دست بردار ہونا پڑے گا، سب سے پہلے اسے اپنی ذات پر محنت کرنی ہوگی، یہ دیکھے بغیر کہ کون کیا کرتا ہے، اس کو ہر وقت یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ بحیثیت مسلمان میری کیا ذمہ داری ہے اور میں اپنی اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکتا ہوں، اس طرح بیس کروڑ کی تعداد میں ایک شخص تو اپنے کو سنوار لے گا، جب ہر فرد اسی نہج پر محنت اور کوشش کرے گا تو قطرہ قطرہ دریا شود کی مثال صادق آئے گی، اور حالات میں خوشگوار تبدیلی آئے گی، یہ سب موجودہ حالات میں مشکل تو ضرور ہے لیکن اس کے بغیر حالات میں تبدیلی مشکل تر ہے۔ **واللہ الموفق وهو المعين**

گاہے گاہے باز خواں۔۔۔

مدارس پر گرم نگاہیں

اسباب اور علاج

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

(آج سے چند سال قبل جب حکومت نے مدارس پر اپنا شکنجہ کسنے کی تیاری شروع کی تھی اور اس سلسلے میں ایک بل پیش کیا تھا، جو'' سیاہ بل'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی موقع پر یہ تحریر لکھی گئی، آج بھی اس کی وہی اہمیت باقی ہے، اس وقت پھر ویسی ہی صورتحال سامنے ہے اسی کی مناسبت سے یہ تحریر پیش کی جارہی ہے۔)

قدیم طرز کے دینی مدارس، جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے، جہاں قرآن وحدیث اور دوسرے علوم اسلامیہ میں مہارت پیدا کی جاتی ہے، اور ساتھ ہی اسلامی تربیت سے طلبہ کو آراستہ کیا جاتا ہے، جو حکومتوں کی خوشامد اور کاسہ لیسی سے آزاد ہیں اور آزاد رہنا چاہتے ہیں، اس وقت شاید سارے عالم میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً اربابِ حکومت کے مرکزِ نگاہ بنے ہوئے ہیں، انھیں ان مدارس میں وہ تمام چیزیں نظر آتی ہیں، جن سے ان کے دامن بالعموم پاک ہیں، اور وہ بات نظر نہیں آتی جو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

شکوک وشبہات، بدگمانیوں اور تہمت طرازیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو مدارس اور مدارس کے طلبہ واساتذہ پر حملہ آور ہوتا ہے، ایسے حالات پیدا کئے جارہے ہیں کہ یہ مدارس ہراساں ہوکر یا تو خود کو فنا کردیں، یا اپنی راہ بدل دیں، باطل کی حکومتیں ان مدارس کو اپنے لئے خطرہ محسوس کررہی ہیں، اور جب سے سوویت یونین (روس) میں بکھراؤ پیدا ہوا ہے، اور افغانستان میں طالبان کو بالادستی حاصل ہوئی ہے، اس وقت سے یہ حکومتیں اور بوکھلا گئی ہیں، طالبان کی حکومت کو تو پارہ پارہ کرکے افغانستان کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک ہی دیا گیا ہے، اور جہاں جہاں یہ مدارس مصروف خدمت ہیں، ان پر بھی نگاہیں گرم ہیں۔

خیر! باطل اور کفر کی نگاہیں تو ہمیشہ حق پر اور اسلام پر گرم رہی ہیں اور یہ کچھ اتفاقی واقعہ نہیں

ہے۔ بلکہ خدائی انتظام ہے، ہر ایک حق کے پیچھے ایک باطل لگا ہوا ہے، اوراس میں بڑی مصلحتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ O اوراسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن شریر آدمیوں کواور جنوں کو، جو کہ سکھلاتے ہیں ،ایک دوسرے کوملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کیلئے، اوراگر تمہارا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے ،تو تم چھوڑ دو وہ جانیں اوران کا جھوٹ (سورہ انعام:۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حق کی مخالفت پر، جھوٹی ملمع سازی کر کے ایک ودسرے کوفریب دینے کی کوشش پر کمر بستہ رہنا اہل باطل کا شیوہ ہے، اور تکوینی طور پر سب کچھ مشیت الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے، عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمن اس واسطے بنائے کہ عداوت سے بہت کام ہوتا ہے، کیونکہ یہ دنیا دارالابتلاء (آزمائش کی جگہ) ہے، چنانچہ ابتلاء ہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے شیطان اورنفس کو پیدا فرمایا ،مگر یہ ابتلاء اس وقت تک تام نہیں ہوتا جن تک کہ اچھی طرح دشمنی نہ کی جائے، اس لئے شیاطین الانس کو بھی پیدا فرمایا، اور یہ یہی کفار اور فساق وفجار ہیں، جو دین کو ناپسند کرتے ہیں اور وہ دراصل یہ شیطان کے اولیاء اور شیطان ہی کے مقرب ہیں، اس کی باتوں کو سنتے اور کان لگاتے ہیں، اور ہر نبی کیلئے اس کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ نبی ہدایت کیلئے مبعوث ہوتا ہے، تو جب تک اس کے بالمقابل کوئی ضلالت پھیلانے والا نہ ہو، یہ ابتلاء کیونکر کامل ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر ہیں، اوراس کام کوکر رہے ہیں، ان کے دشمن بھی شیاطین الجن اور شیاطین الانس ہوں، اس واسطے ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے عداوت کرتے ہو تو یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اوراس میں ہمارا فائدہ ہے، لہٰذا اب تم بھی کوشش کرو اور ہم بھی کوشش کریں گے۔''

ہماری کوشش کیا ہوگی؟ ہم بھی کوئی سازش کریں گے؟ یا کوئی جھوٹا سچا پروپیگنڈہ کریں گے؟ اور جس ہتھیار سے ہمارا دشمن ہم پر حملہ آور ہے، بعینہٖ وہی ہتھیار ہم بھی اٹھائیں گے؟ حضرت مصلح الامت اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام اوران کے ماننے والے اس عداوت اوراس سازش کی وجہ سے:

''ان دشمنوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر وباطن میں رجوع

ہوجاتے ہیں اور اپنی دعوت وتبلیغ میں خوب اچھی طرح مستعد ہوجاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ان لوگوں کی عداوت اور اس کے ضرر سے بچائے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے، پس جس طرح ادھر شیاطین ہیں، تو اُدھر فرشتے ہیں، ہر طرح کی نصرت وتائید ان کے ساتھ ہوتی ہے۔'' (مجموعہ تالیفات مصلح الامت ج:۳،ص:۲۸۳)

بہر کیف دشمنوں کی عداوت تو ایک ناگزیر امر ہے، اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہے، لیکن اس عداوت اور سازش کے ضرر سے خود کو بچانا ایک اہم کام ہے، سازش کا جواب سازش نہیں ہے، پروپیگنڈہ کی کاٹ ہماری تعلیمات میں پروپیگنڈہ نہیں، جھوٹ کا جواب جھوٹ نہیں ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی، اسلامی قانون ہوتا تو برائی کی سزا دی جاتی، اور موجودہ صورتحال میں جب معاملہ دوسرا ہے، برائی کا جواب برائی نہیں ہے، پھر کیا ہے؟ اہل مدرسہ کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کی تلاش ہونی چاہئے، کیا ہورہا ہے؟ اس کا احتساب کرنا چاہئے۔

کیا کرنا چاہئے اس کی طرف اشارہ اوپر کی سطروں میں موجود ہے، وہ یہ کہ دشمنوں کے مقابلے کیلئے تیار ہوجائیں، کس طرح مقابلہ کریں۔ طریقہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر وباطن میں رجوع ہوجائیں، اور اپنی دعوت وتبلیغ میں، اور اپنے فریضے کی ادائیگی میں خوب اچھی طرح مستعد ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔''

ظاہر وباطن میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی دل وجان سے کریں، خواہ ان کا تعلق احکام ظاہر سے ہو، جیسے عبادات، نماز، روزہ وغیرہ اور معاملات مثلاً لین دین، خرید وفروخت، اور خواہ ان کا تعلق باطن سے ہو، جیسے محبت وعداوت، اخلاص وریا، زہد وحرص وغیرہ، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ تقویٰ اور خوف خدا کو اپنا شعار بنائیں۔

دوسرے یہ کہ اپنے فریضے کی ادائیگی میں، تعلیم وتربیت میں، دعوت وتبلیغ میں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں خوب مستعد ہوجائیں، اور اس میں کسی طرح کی سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں، سہولت پسندی، عیش کوشی سے دور رہیں۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں، اگر یہ تینوں باتیں مجموعی اعتبار سے حاصل ہوجائیں تو نصرت الٰہی ہر طرف سے حفاظت کرے گی، اور کسی دشمن کا کید اور اس کی سازش نقصان نہ پہونچا سکے گی، اور اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورہ آل عمران:۱۲۰) اگر تم نے صبر واستقامت سے کام لیا اور تقویٰ کو اختیار کیا، تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچا سکے گی، بلاشبہہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گھبرا کر اپنا فریضہ چھوڑ نہ دے اور نہ کسی غلط اور ناجائز طریقے کو اختیار کرے، بلکہ شریعت کے مطابق ڈٹا رہے تو اس صبر وتقویٰ کی وجہ سے وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ہو جائے گا، اہل باطل کی سازشیں آئیں گی اور ٹکرا کر چکنا چور ہو جائیں گی۔

یہ طریقۂ کار فرد کے لئے بھی متعین ہے، اور اجتماعی ماحول کے لئے بھی، جب اس صبر اور تقویٰ میں رخنہ پڑے گا، سازشوں کو نقصان پہونچانے کی راہ ملے گی، دشمنوں کی دشمنی تو رہے گی، لیکن اگر ان تمام رخنوں کو بند کر دیا جائے، جن سے سازشوں کو گھسنے کا موقعہ ملتا ہے تو کتا بھونکتا رہے گا اور قافلہ چلتا رہے گا۔

مدارس دینیہ جو اسی غرض سے قائم کئے جاتے ہیں کہ اسلامی شریعت کا علمی اور عملی ہر طریقے سے تحفظ ہو سکے، ان کو کامل طور پر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جو اللہ اور رسول کی منشاء کے مطابق ہو، ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہئے کہ احکام شریعت مدرسہ کے ہر شعبہ میں زندہ اور کارفرما ہیں، اہل مدرسہ میں تقویٰ اور تدین کا رنگ چھایا رہے، خواہ مالیات کا شعبہ ہو یا تعلیم وتربیت کا، خواہ باہمی تعلقات کا مسئلہ ہو یا ذاتی وانفرادی زندگی کا شعبہ ہو۔

اس نقطۂ نظر سے ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطائیں ہی خطائیں ہیں، کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں، عہدوں کیلئے لڑائیاں ہیں، ایک ایک مدرسہ میں بعض اوقات کئی کئی گروپ ہو جاتے ہیں، جن میں کشمکش رہتی ہے، اساتذہ ٹولیاں بنا کر افتراق میں مبتلا ہوتے ہیں، طلبہ الگ من مانی کرتے ہیں۔ چونکہ ان مدارس کا قیام اور ان کی بقاء کا تعلق عالم اسباب میں عوامی چندوں سے ہے، تو چندوں میں اتنا انہاک ہوتا ہے کہ بعض اوقات حرام وحلال کی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں، اور اس سلسلے میں نامناسب امور کا اتنا ارتکاب ہوتا ہے اور انھیں اتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے جیسے ان کیلئے شریعت کی کوئی ہدایت ہے ہی نہیں، کمیشن پر چندہ کرنا ایک دستور سا بن گیا ہے، حالانکہ شرعاً وہ جائز نہیں ہے، چندہ کرنے والے کمیشن پر چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ ہی میں سے اپنا کمیشن وضع کر کے بقیہ رقم مدرسہ کے حوالے کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟

پھر بہت سے مدارس میں تعلیم کی مدت میں طلبہ اور اساتذہ سب کو چندہ کے کام میں لگادیا جاتا ہے، اس سے تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے، اور مزاج بگڑ جاتا ہے، یہ تو چندے کے حصول کا مسئلہ ہے، اس کے خرچ کا مسئلہ بھی کچھ کم نازک نہیں ہے، مصارف کی بے احتیاطیوں سے ارباب مدارس خوب واقف ہیں۔

ایک افسوسناک اور قابل اصلاح صورت حال یہ ہے کہ عموماً دینی مدارس کے اہل انتظام کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ریس میں تعلیم سے زیادہ تعمیر کا جذبہ رکھتے ہیں، کارکنوں کی تنخواہیں تو کم، بہت کم ہوتی ہیں، لیکن تعمیر میں بے تحاشا دولت صرف کی جاتی ہے، اور بعض اوقات بالکل بے ضرورت! ان کی طویل وعریض عمارتوں کا اور کوئی نقصان ہو یا نہ ہو، ہمارے اس ملک میں جہاں تعصب کا الاؤ ہر طرف جل رہا ہے، مدارس کی ان بلند وبالا خوبصورت عمارتوں پر فرقہ پرستوں کی نگاہیں پڑتی اور ان میں خطرے کی علامتیں ڈھونڈھتی ہیں، نہیں ملتیں تو زبردستی تہمت تراشی کرتی ہیں، حالانکہ اگر بقدر ضرورت عمارتیں بنوائیں اور انھیں سادہ انداز پر رکھیں، تو تعلیمی وتربیتی مواقع پر خرچ کرنا آسان ہو، اور ان پر ناجائز نگاہیں بھی نہ پڑیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ ارباب مدارس بہت زیادہ شاندار عمارتیں نہ بناتے تو بہت سے فتنوں سے محفوظ رہتے، قرآن کریم میں سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، اس میں تذکرہ ہے کہ ایک نئی کشتی کو حضرت خضر نے عیب دار بنادیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض کیا تو آخر میں اس کے متعلق جو بات حضرت خضر علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ تھی: أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ، رہا کشتی کا معاملہ! تو وہ چند مسکینوں کی تھی، جو دریا میں کام کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کردوں، (کیونکہ) سامنے ایک بادشاہ ہے، جو ہر (اچھی) کشتی کو چھین لیتا ہے۔

غور کیجئے! یہ مدارس ہمارے لئے اس کافرانہ ملک اور حکومت میں نجات کی کشتیاں ہیں، انھیں بوسیدہ ہی رہنا ٹھیک ہے، تاکہ کسی کی بری نظر ان پر نہ پڑے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ نے تذکیر بسورۃ الکھف میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''کشتی والے نمونے سے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے خود ہی تصریح کی، یہ بتانا مقصود تھا

کہ ایسے مواقع بھی کبھی پیش آجاتے ہیں، جن میں ظالم کو اس کی ظالمانہ چیرہ دستیوں سے ہٹانے کے درپے ہونا وقت کے اقتضاء کے مطابق نہیں ہوتا، بلکہ ایسے زمانہ میں مصلحت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ظالم اپنی ظالمانہ کاروائیوں کا نشانہ جس چیز کو بنانا چاہتا ہے، اسی میں بظاہر کچھ ایسے نقائص اور عیوب چاہئے کہ عمداً اور قصداً پیدا کر دیئے جائیں، جن کی وجہ سے ظالم کی حرص وآز کی نگاہوں سے تو وہ چیز گر کر اس کے سامنے سے ہٹ جائے، لیکن بذات خود وہ شئے بھی باقی رہ جائے، اور جو کام اس سے نکل رہا ہو، اس میں خلل پیدا نہ ہو، (ص:۲۴۳)

ہندوستان میں اسلامی مدارس کا جال بچھا ہوا ہے، جن بزرگ ہستیوں نے مدارس کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ان مدارس کو عصری اسکولوں کے شانہ بشانہ کبھی کھڑا کرنا نہیں چاہا، بلکہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی:

''انتہائی کس مپرسی کے حالات میں گمنام قصبوں اور دیہاتوں کی مسجدوں کے گوشوں میں کچھ پڑھنے پڑھانے والے سمٹ گئے تھے، تعلیمی نصاب نقائص وعیوب سے معمور تھا، نہ عصری تقاضوں کے مطابق علوم وفنون کی کتابیں اس میں شریک تھیں اور نہ دنیا کی موجودہ علمی زبانوں میں کسی زبان کو اس نصاب میں جگہ دی گئی۔'' (ص:۲۵۲)

''لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا عیوب ونقائص سے پاک کر کے ان مدارس کو بھی عصری جامعات اور کلیات کے مطابق بنادیا جاتا......تو دینی فتنے کے پچھلے تاریک وتار دنوں میں بچھی کچھی نجات کی کچھ کشتیاں لوگوں کو جو میسر آرہی ہیں، جو ایمان وعمل صالح کی زندگی کے ساتھ قبر کے کناروں تک پہونچنے میں اب تک کامیاب ہوئے ہیں، کیا ہم نجات کی ان کشتیوں کو پاسکتے تھے؟'' (ص:۲۵۴)

مولانا کی یہ گفتگو مدارس کے ہمہ جہتی مسائل پر ہے، میں یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تعمیرات کے لحاظ سے مدارس اگر پست اور کمتر درجہ کی عمارتوں پر مشتمل ہوں، اور شاہراہ عام کے بجائے ان کیلئے ذرا گمنام جگہوں کا انتخاب کیا جائے، تو موجودہ سیاسی اور حکومتی صورت کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انھیں کوئی نہ جانے، مگر یہ ضرور ہے کہ غیر متعلق لوگ کم جانیں تو بہتر ہے، حکومت کی نگاہ ترحم ہو یا نظر غضب، دونوں ہمارے مدارس کیلئے مضر ہیں۔

نظر ترحم کی ایک مثال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے قلم سے ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی وزارت تعلیم کے زمانے میں ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کے

سامنے یہ تجویز رکھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ہندوستان میں ایک نمونہ کی عربی درسگاہ قائم کرنا چاہتی ہے، جو ماڈل عربک کالج کے طور پر عربی مدارس کی رہنمائی اور قیادت کرے.....مولانا آزاد کے نزدیک اس کیلئے دارالعلوم (ندوۃ العلماء) سے زیادہ کوئی مدرسہ موزوں نہ تھا، انھوں نے فرمایا کہ اگر ندوۃ العلماء کے ذمہ دار اس تجویز کو قبول کرلیں گے، تو حکومت عمارتوں کی تکمیل کردے گی ، یہ تجویز آئی تو ندوۃ العلماء کی ذمہ دار بڑی کشمکش میں پڑ گئے، ایک طرف دارالعلوم کے (ایک خاص مقصد کا وسیلہ ہونے کے لحاظ سے) موت وحیات کا مسئلہ تھا، دوسری طرف مولانا آزاد کی تجویز کو رد کردینا بھی مشکل تھا، جو ایک بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتے تھے.....ندوہ کے خادم وامین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس تجویز کے قبول کرنے کے بعد ندوہ، ندوہ نہیں رہے گا، ایک عربک کالج بن جائے گا، اور ملت کے ہاتھ سے نکل جائے گا......اس تجویز کو قبول کرنا ندوۃ العلماء کی محضر قتل پر دستخط کرنے کے مرادف ہے، لیکن مولانا آزاد سے اس مسئلے پر بات کون کرے، اور مخمصہ سے نکلنے کی سبیل کیسے نکالی جائے۔'' آخر قرعہ فال مولانا مسعود علی کے نام نکلا اور یہ مشکل کام ان کے سپرد ہوا کہ وہ دہلی جائیں اور مولانا آزاد سے ایسی گفتگو کریں کہ ان کے جذبہ کی ناقدری بھی نہ ہو اور معذرت بھی ہو جائے.......

مولانا آزاد سے ملاقات ہوئی، انھوں نے

اپنے معمول کے مطابق کہا کہ مولانا ئے مسعود کیسے آئے؟ کہنے لگے کچھ بزرگوں کے لوحِ مزار کی عبارت کے بارے میں غور وخوض ہورہا ہے، مولانا محمد علی مونگیری کے لوح مزار پر بانی ندوۃ العلماء لکھنا تجویز ہوا ہے، اسی طرح مولانا شبلیؒ کے لوح مزار کی کوئی عبارت بتائی، جس سے ان کی ندوۃ العلماء تحریک کو ترقی دینے کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگے کہ اندیشہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے لوح مزار پر قاتلِ ندوۃ العلماء لکھا جائے، مولانا نے بڑے استعجاب سے پوچھا کہ کیوں؟ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگے جو تجویز آپ نے پیش کی ہے، اس کا مآل تو یہی ہے کہ ندوۃ العلماء ختم ہوجائے اور ہم اور آپ اس کے قاتل ٹھہریں، آج تو آپ منصب وزارت پر ہیں، آپ کی موجودگی میں اس کا خطرہ نہیں ہے، لیکن کون آتا ہے اور کیا ہوتا ہے، مولانا کی شہرۂ آفاق ذہانت کیلئے اتنا اشارہ کافی تھا، وہ دور تک بات سمجھ گئے، اور فرمایا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ صحیح ہے اور اس تجویز پر کوئی اصرار نہیں۔ (پرانے چراغ ج: دوم)

حکومت کی مہربانیاں کیا اثر رکھتی ہیں، اس واقعہ سے بخوبی واضح ہے، کاش یہ اہل مدارس اس پر غور کرتے، اور اپنے آپ کو حکومت کے سائے سے بچائے رکھتے، مدارس میں جو کام ہوتا ہے، وہ

کہیں نہیں ہوتا، یہاں انسانیت سازی ہوتی ہے، مردم گری ہوتی ہے، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ اور مدارس دینیہ کے طلبہ میں واضح فرق ہے، مگر جو روش اب مدرسوں میں آتی جارہی ہے، اس کے نتیجے میں یہ فرق کم ہوتا جارہا ہے۔

عمارت کچی ہو، معمولی ہو، تعلیم پکی ہو، تربیت غیر معمولی ہو، کارخانہ مخفی ہو، جو مال ڈھل کر نکلا ہے، وہ عمدہ ترین ہو، لیکن اب تو حال یہ ہے کہ عمارت نہایت پختہ اور خوش نما ہے، مگر تعلیم وتربیت اسی لحاظ سے کچی ہے، کارخانہ تو لوگوں کی نگاہ میں آ گیا، شہرت بھی بہت ہوگئی، مگر ردی مال نکل کر بازار میں آ رہا ہے۔

مدرسہ کا سارا کام اللہ کے لئے ہو، جس کو جاننا چاہئے وہ جانتا ہے، شہرت کا جذبہ نہ ہو، پروپیگنڈہ کا شوق نہ ہوتب مزاج اسلامی ہے، اور اگر جذبہ نمود ہی کام کرارہا ہے تو مواخذہ کا اندیشہ ہے۔

مدارس کا تحفظ بہت اہم ہے، اور نہایت ضروری، اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جلسے کئے جائیں، تنظیمیں بنائی جائیں، قرار دیں پاس کی جائیں، احتجاج اور مظاہرے ہوں، حکومت کے کانوں تک اپنی فریاد پہونچائی جائے، یہ دورِ حاضر کی جمہوریت کا طریقہ ہے، لیکن یہ طریقہ جمہوری ہے، اسلامی نہیں۔ مجبوری میں حدود کے اندر رہ کر اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، مگر اس پر اکتفاء کرنا درست نہیں، دوسروں کے عیبوں کو دیکھنے سے زیادہ اپنے معائب کو دیکھنا ضروری ہے، ڈھانچہ موجود ہو، اس میں روح نہ ہوتو آہ وواویلا مچا کر کتنی دیر تک گِدھوں کو روکا جاسکتا ہے، مدارس میں تعلیم وتربیت کا اہتمام نہ ہو............جو کہ ان کا اصل موضوع ہے............روحانیت سے خالی ہو، آپسی اختلافات نے ماحول کا ستیاناس کررکھا ہو، ایک دوسرے کی حق تلفی میں باک نہ ہو، تو کیا اس کھو کھلے جسم پر نگاہیں نہ پڑیں گی۔

مدرسہ تین عناصر سے مرکب ہے، اساتذہ، طلبہ اور اہل انتظام، ان تینوں میں باہمی توافق وتناصر ہو، ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت ہو، غلطیوں سے درگزر کرنے کا حوصلہ ہو، حرص مال اور حب جاہ سے برکنار رہیں، طلبہ کی طرف سے اطاعت گزاری اور اساتذہ و منتظمین کی جانب سے شفقت ومحبت اور جذبۂ خیر خواہی ہو، نصاب تک تعلیم کی تکمیل ہو، اخلاق وانسانیت کی دولت سے تینوں عناصر مالا مال ہوں تو ان شاء اللہ غیبی طور پر ان کے تحفظ کا انتظام ہوگا۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز

☆☆☆☆☆

معاملات ومعاشرت

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ

معاملات اور معاشرت کا تعلق دراصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں بھی احکام دے کر ہمارے لئے ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا ہے۔ معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں، جیسے قرض، امانت، خرید وفروخت، نوکری، مزدوری وغیرہ۔

اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا وہ برتاؤ ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے، خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن، دوسرے اقارب اور میاں بیوی کا، یا گھر کے آس پاس رہنے والے پڑوسی کا، اور خواہ عارضی اور وقتی ہو جیسا کہ سفر کے رفیقوں کا یا مدرسہ یا کارخانہ کے ساتھیوں کا۔

دین میں معاملات اور معاشرت کی خصوصی اہمیت:

اخلاق کی طرح دین میں ان دونوں شعبوں کی بھی بڑی اہمیت ہے، بلکہ ان کو دوسروں شعبوں کے مقابلہ میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان میں اپنی دنیوی منفعت اور مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ کے احکام کی کشمکش دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے، مثلاً کاروبار میں منفعت اس میں نظر آتی ہے، اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی امید ہو وہ کر گزر جائے، لیکن اللہ کا دین یہ کہتا ہے کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو، اور چاہے بالکل دیوالیہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو، اور صرف اس طریقے سے کاروبار کرو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، اسی طرح معاشرت یعنی آپس کے برتاؤ کا حال ہے، اس میں بھی خواہش نفس اور اللہ کے حکم کے درمیان اکثر مقابلہ اور تصادم رہتا ہے، اس لئے بندہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا سب سے سخت امتحان معاملات اور

معاشرت کے احکام میں ہے۔

معاملات اور معاشرت کی اہمیت کا ایک دوسرا پہلو:

اور دوسرا پہلو، ان شعبوں کی اہمیت کا یہ ہے کہ ان کا تعلق اللہ کے بندوں کے حقوق سے بھی ہے یعنی نماز روزہ اگرچہ ارکانِ دین ہیں، اور اس حیثیت سے ایمان کے بعد انہی کا درجہ ہے، لیکن وہ صرف حقوق اللہ ہیں اور جو شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے وہ صرف خدا کا مجرم ہوتا ہے، اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے استغفار اور توبہ کر کے اپنے یہ گناہ معاف کرا لے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے معافی ہی کی امید ہے، لیکن معاملات اور معاشرت میں اگر گڑبڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی اور کسی نہ کسی بندے کی اس میں حق تلفی بھی ضرور ہوئی، اور بندے تو عموماً ہم ہی جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہیں وہ تو قیامت میں اپنی پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑیں گے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ:

''بعض لوگ نماز اور روزہ اور صدقہ وخیرات کی قسم کی بہت سی نیکیاں یہاں سے کما کے لے جائیں گے، لیکن ان کے معاملات اور ان کی معاشرت خراب ہوگی، کسی کا حق مارا ہوگا، کسی کا دل دکھایا ہوگا، کسی کی غیبت کی ہوگی وغیرہ وغیرہ، جب وہ محشر میں مقامِ حساب میں پہونچیں گے تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز، روزہ، صدقہ وخیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوا دی جائیں گی، اور جب ان نیکیوں سے بھی ان لوگوں کے پورے حقوق ادا نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لا د دیئے جائیں گے، اور بالآخر جہنم میں ڈلوا دیئے جائیں گے۔'' (رواہ مسلم)

بہر حال اس پہلو سے معاملات ومعاشرت کی بڑی اہمیت ہے، اور غالباً اسی حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح کو صراحۃً نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات سے افضل بتایا گیا ہے، یہ حدیث ترمذی اور ابوداوٗد کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں نقل کی گئی ہے، اس کے راوی حضرت ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا:

ألا أخبر کم بأفضل من درجة الصیام و الصدقة و الصلوٰة ؟

کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز سے بھی افضل ہے؟

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا حضرت وہ چیز ضرور بتلایئے!
آپ نے ارشاد فرمایا:

قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین هی الحالقة۔

وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے، اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی مونڈ دینے والا استرا (بال مونڈنے والا استرا نہیں بلکہ دین کا صفایا کردینے والا استرا) ہے۔

ان ہی دو حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح ودرستگی کی کتنی اہمیت ہے۔

افسوس آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی معاملات اور معاشرت کی اصلاح ودرستی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز وروزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے، معاملات اور برتاؤ ان کے بھی اسلامی نہیں، ایسی حالت میں عبادتیں اور دعائیں کیا قبول ہوں۔

مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اشتریٰ ثوباً بعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل الله تعالیٰ له صلوٰة مادام علیه ثم أدخل إصبعیه فی أذنیه وقال صمّتا إن لم یکن النبی ﷺ سمعته یقوله،

جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا، اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے (جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا تھا) تو جب تک وہ شخص اس کپڑے کو پہنے رہے گا اس کی کوئی نماز بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر سامعین سے فرمایا کہ بہرے ہوجائیں میرے یہ کان اگر میں نے حضورؐ سے یہ بات نہ سنی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إن الله طیب لایقبل إلا طیباً**، بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاکی کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔

پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے رزقِ طیب حاصل کرنے کی تاکید فرمائی، اور پھر آخر میں ایک

شخص کا ذکر فرمایا:

ثم ذکر الرجل یطیل السفر أشعث إغبر یمد یدیه إلی السماء یارب یارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وغذی بالحرام فأنیٰ یستجاب لذٰلک (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

جو دور دراز کا سفر کر کے (کسی خاص مقدس اور متبرک مقام پر دعا کرنے کیلئے) اس حال میں آئے کہ اس کے بال پراگندہ ہوں اور سر سے پاؤں تک غبار میں اَٹا ہوا ہو، اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر وہ خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے، اے میرے رب! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا پینا حرام مال سے ہو، اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہو تو اس حالت میں اس کی یہ دعا کیونکر قبول ہوگی؟

مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کے کاروباری معاملات درست اور شریعت کے مطابق نہ ہوں، اور اس کا کھانا پینا اور پہننا حرام مال اور ناجائز آمدنی سے ہو تو اس کی دعا قبول نہیں، چاہے وہ ہزار میل کا سفر کر کے کسی مقدس ومتبرک مقام پر جا کر ہی دعا کرے، ایک اور حدیث میں ہے:

لایدخل الجنة جسد غذی بالحرام۔

جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو، وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کی رضا ورحمت حاصل کرنے کیلئے اور سچا مسلمان بننے کے لئے جس طرح نماز، روزہ وغیرہ عبادات اور اخلاق حسنہ ضروری ہیں اسی طرح معاملات کی درستی اور ذرائع آمدنی کی صحت اور پاکی بھی ضروری ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں سے اپنی بیزاری اور بالکل بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے جو کاروبار میں ایمانداری اور دیانتداری کے اصول کی پابندی نہ کریں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے، (جو کسی دکاندار نے لگا رکھا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو اندر کچھ نمی محسوس ہوئی (حالانکہ اوپر سے غلہ بالکل سوکھا نظر آتا تھا) آپ نے دکاندار سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ اوپر سے تمہارا غلہ خشک ہے اور اندر گیلا ہے، اس نے کہا کچھ بوندیں پڑ گئی تھیں، جس سے غلہ تر ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلہ کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں ڈالا تا کہ خریدار تمہارے غلہ کے گیلے پن کو دیکھ سکتا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من غش فلیس منی۔(رواہ مسلم،مشکوٰۃ)

جو کوئی (کاروبار میں) دھوکہ کرے وہ میرا نہیں (یعنی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں)

اسی طرح جولوگ اسلام کے سکھائے ہوئے شریفانہ آدابِ معاشرت کی پابندی نہ کریں، ان کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں،رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف شرف کبیرنا۔(ترمذی،ابوداؤد)

جو ہمارے چھوٹوں کے ساتھ رحم وشفقت سے،اور بڑوں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش نہ آئے،وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جن چیزوں کے متعلق حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو یہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے،اس کا کم درجہ واجب کا ضرور ہے،پس اس حدیث کی رُو سے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور بڑوں کے ساتھ ادب وعظمت کا برتاؤ گویا ہمارے دینی اور شرعی واجبات میں سے ہے،حالانکہ یہ ایک خالص معاشرتی مسئلہ ہے۔

معاشرت کا اصل اصول یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی دل آزاری سے بچا جائے اور ان کا حق ادا کرنے کی اور (شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے) ان کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی اور ان کے حق کے مطابق ان کو آرام پہونچانے کی پوری کوشش کی جائے،اس معاملہ میں اسلام کا جو منشاء اور جو نقطۂ نظر ہے اس کا کچھ اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے،جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو ایک کو تنہا چھوڑ کے ان میں سے دو الگ باتیں نہ کریں (ممکن ہے اس سے اس کا دل دکھے اور وہ آزردہ ہو) بلکہ جب کوئی چوتھا آجائے جو اس کے پاس بیٹھا رہ سکے تو یہ دونوں الگ ہو کر اپنی باتیں کر لیں۔''

لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کی دل آزاری میں ہمیں لذت آتی ہے،اللہ تعالیٰ ہماری اس بیماری کی اصلاح فرمائے،شاید ہم لوگ سب سے زیادہ اس کے مریض ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کامل نہیں ہوسکتا،اور ہماری زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی جب تک کہ اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کو بھی درست نہ کریں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد میں باتیں نہ کرنا

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتھم،
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
ناقل: عادل سعیدی پالن پوری

بزرگو اور بھائیو ! آج کوئی خاص تقریر نہیں کرنی، بس دو ضروری باتیں عرض کرنی ہیں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اس ملک کی مسجدوں کا نظام صحیح نہیں، کمیونٹی سینٹر اور مسجدوں کا ایک ہی حال ہے، جب لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، تو باہر اور مسجد میں کوئی فرق نہیں ہوتا، جیسے کمیونٹی سینٹر میں پہنچ کر لوگ باتیں کرتے ہیں، اسی طرح مسجدوں میں بھی باتیں کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، اللہ تعالی سورۃ الحج میں ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ،(سورہ حج:۳۲) جو شخص اللہ تعالی کے دین کی امتیازی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ تعظیم کرنا اس کے دل میں پرہیز گاری کی وجہ سے ہوتا ہے، جس دل میں تقوی اور پرہیز گاری ہوتی ہے، وہی شعائر اللہ (اللہ کے دین کی امتیازی نشانیوں) کی تعظیم کرتا ہے۔

شعائر اللہ کیا ہیں:

ہر وہ چیز جس کو دیکھ کر فوراً سمجھ لیا جائے کہ یہ چیز فلاں مذہب سے تعلق رکھتی ہے، تو وہ اس مذہب کا شعار ہے، جیسے چرچ پر منارہ اور صلیب دیکھ کر ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہ چرچ ہے، یہ عیسائیت کا شعار ہے، یہودیوں کا شعار چھ کونوں والا تارہ ہے، اس کو دیکھ کر آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ دکان، یہ گھر، یہ عبادت خانہ یہودیوں کا ہے، یہ یہود کا شعار ہے، مندر کی ایک خاص بناوٹ ہے، ہندو عورت مانگ میں سندور لگاتی ہے، مرد قشقہ لگاتا ہے، اور ایک خاص انداز سے دھوتی پہنتا ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ ہندو ہے، یہ سب شعائر الہنود ہیں، اسی طریقہ پر اسلام

کے کچھ شعائر ہیں، جن کو دیکھ کر ہر آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ مذہبِ اسلام سے تعلق رکھنے والی چیز ہے، یہ شعائر اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کی امتیازی نشانیاں ہیں۔

شعائر اللہ کتنے ہیں:

شعائر اللہ بہت ہیں، بڑے شعائر چار ہیں، قرآن کریم، کعبہ، نبی اور نماز، کعبہ صرف اسلام کے پاس ہے، کسی اور مذہب کے پاس کعبہ نہیں، قرآن کریم مسلمانوں کی متبرک کتاب ہے، ہر آدمی جانتا ہے، نبی بھی شعائر اللہ میں سے ہے، کیونکہ آج دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی مذہب نہیں، جو نبی کا صحیح تصور رکھتا ہو، برطانیہ میں ایک مرتبہ ہم یہودیوں کی عبادت دیکھنے کیلئے باقاعدہ وقت لیکر ان کے عبادت خانہ (سینیگو نگ) میں گئے، ہم نے ان کی نماز دیکھی، نماز کے بعد ہم نے ان کے امام سے پوچھا: موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: صرف معلم اور استاد، استاد تو دنیا میں کروڑوں ہیں، ان کا اپنے نبی کے بارے میں، نبی کا کوئی تصور نہیں، عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا بیٹا ہونے کا تصور ہے، وہ بھی نبی کا کوئی تصور نہیں رکھتے، ہندو اپنے بڑوں کے بارے میں اوتار کا تصور رکھتے ہیں، نبی کا نہیں رکھتے، اوتار کا مطلب یہ ہے کہ جب زمین شر وفساد سے بھر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ انسان بن کر دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ بڑے ہوتے ہیں، اور بڑے ہو کر دنیا سے سب برائیاں ختم کرتے ہیں، پھر مر جاتے ہیں، اور مر کر اپنی جگہ چلے جاتے ہیں، تو ان کے یہاں بھی نبی کا کوئی تصور نہیں، نبی کا صحیح تصور صرف اسلام میں ہے۔

نبی کا صحیح تصور:

وہ صحیح تصور کیا ہے؟ أشهد أن محمداً عبده و رسوله ، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دو چیزوں کو جمع کرنا نبی کا صحیح تصور ہے، اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبین ﷺ تک سب نبیوں کے بارے میں یہی تصور رکھتا ہے، کہ یہ سب انسان تھے، جیسے ہم انسان ہیں، ہمارے درمیان اور ان کے درمیان انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا، ہماری دو آنکھیں ہیں، نبیوں کی بھی دو آنکھیں تھیں، ہمارے دو کان، دو ہاتھ، ایک منھ اور ایک ناک ہے، نبیوں کے بھی یہی سب اعضا تھے، ہم کھاتے ہیں، پیتے ہیں، بازار جاتے ہیں، انبیا بھی کھاتے پیتے اور بازار جاتے تھے، انسان ہونے کے ناتے ہم میں اور نبیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

پھر فرق کیا تھا؟ ان کو ایک بہت بڑا عہدہ مل گیا تھا، وہ عہدہ، نبوت اور رسالت کا عہدہ ہے، یہ اتنا بڑا عہدہ ہے جو انہیں کو ملا ہے، دوسرا چاہے جتنی بھی محنت کر لے، اس کو یہ عہدہ نہیں مل سکتا، جیسے کسی ملک کا صدر، وزیراعظم اور بادشاہ ہوتا ہے، ان میں اور عوام میں انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، لیکن فرق ہوتا ہے کہ وہ ملک کا صدر، وزیراعظم ہے، بادشاہ ہے، یہ ان کا مرتبہ ہے، اور یہ مرتبہ انہی کو حاصل ہے، دوسرے کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طریقہ پر اسلام کا تصور تمام نبیوں کے بارے میں یہ ہے کہ وہ انسان تھے، اور اللہ تعالی نے ان کو ایک بہت بڑا عہدہ دیا تھا، **أشهد أن محمداً عبده و رسوله**، کا یہی مطلب ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالی کے بندے ہیں، وہ کوئی خدا نہیں، وہ کوئی خدا کے بیٹے نہیں، وہ کوئی مافوق الفطرت شخصیت نہیں، آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جیسے انسان تھی، وہ بھی انسان تھے، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں، یہ بہت بڑا عہدہ اللہ تعالی نے ان کو دے رکھا تھا، نبیوں کے بارے میں اسلام کا یہی تصور ہے، اور یہی نبوت کا صحیح مفہوم ہے، اور یہ صحیح مفہوم صرف اسلام میں ہے، اس کے علاوہ اور کسی مذہب میں نبوت کا صحیح مفہوم نہیں، اس لئے نبی بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔

اور چوتھی چیز ہے: نماز، دنیا کے تمام مذاہب اللہ تعالی کی بندگی کرتے ہیں، بلکہ یہود و نصاری تو نماز پڑھتے ہیں، لیکن اللہ تعالی کی بندگی اور نماز پڑھنے کا جو طریقہ مسلمانوں کا ہے، وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں نہیں، اگر آپ سڑک کے کنارے پر، پلیٹ فارم پر، بس اسٹینڈ پر کسی آدمی کو مصلی بچھا کر اللہ تعالی کی بندگی کرتے ہوئے دیکھیں، تو آپ دیکھتے ہی فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ مسلمان ہے۔

الغرض اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن کریم، کعبہ، نبی اور نماز، ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے شعائر ہیں، قربانی کے جانور بھی شعائر ہیں، ہدی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے، اسی طریقہ پر مسجدیں بھی شعائر اللہ ہیں، کہ ان کو دیکھ کر ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، بلکہ مسجد کے مینارے جو ایک خاص انداز سے اٹھائے جاتے ہیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، ان کو دیکھ کر بھی آدمی مسجد کو پہنچان لیتا ہے، اور شعائر اللہ کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ**، (سورہ حج:۳۲)، جو شخص اللہ تعالی کے دین کی

امتیازی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ تعظیم کرنا اس کے دل میں تقوی ہونے کی وجہ سے ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم کیا ہے؟

شعائر اللہ کی تعظیم کا کوئی ایک متعین طریقہ نہیں، ہر علامت کی تعظیم اس کے شایانِ شان کی جاتی ہے، پس قرآن کریم کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، کعبہ کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، نبی کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، نماز کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، قربانی کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، مسجدوں کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، غرض شعائر اللہ کی تعظیم کا کوئی ایک متعین طریقہ نہیں۔

کعبہ شریف کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا طواف کرو، اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو، اس کی طرف پیر نہ کرو، استنجے کے وقت اس کی طرف منہ کرو، نہ پیٹھ۔

قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ بے وضو اس کو ہاتھ نہ لگائیں، بے وضو قرآن کریم پڑھ تو سکتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں لگا سکتے، ایسا کیوں ہے؟ جب بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں، تو پڑھنا بھی ناجائز ہونا چاہئے، جواب یہ ہے کہ ایسا ضرورت کی بنا پر ہے، مکتبوں اور مدرسوں میں صبح سے شام تک اساتذہ اور طلبہ قرآن کریم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ پڑھنے کیلئے بھی وضو ضروری ہے، تو مکتبوں کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، صبح سے شام تک اساتذہ اور طلبہ با وضو کیسے بیٹھیں گے؟ اسی طرح سے ہر مسلمان کو، جب بھی موقعہ ملے، تلاوت کرنی چاہئے، وضو کی شرط لگا دیں گے تو ہر وقت تلاوت نہیں ہو سکے گی، اس لئے شریعت نے ضرورت کی وجہ سے اتنی گنجائش رکھی، جنابت کی حالت میں قرآن کریم پڑھنا تو حرام ہے، کیونکہ یہ حالت کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بے وضو ہونے کی حالت میں زبانی قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دیدی، کہ یہ حالت بار بار پیش آتی ہے، الغرض قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ آپ بے وضو اس کو ہاتھ نہ لگائیں۔

قرآن کریم ہاتھ سے گر جائے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نادانی میں قرآن کریم ہاتھ سے گر جاتا ہے، لوگ پوچھتے ہیں: اس کا کفارہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے، نادانی میں قرآن کریم کا ہاتھ سے گر جانا کوئی گناہ نہیں، اور کفارہ گناہ کا ہوتا ہے، گناہ کیوں نہیں؟ حدیث شریف میں ہے: **رفع عن أمتِي الخطأ و النسيان و ما استكرهوا عليه**، میری امت سے تین باتیں اٹھا دی گئی ہیں، یعنی ان کا کوئی گناہ

نہیں، ایک: چوک، دوسری: بھول، تیسری: زبردستی کرایا ہوا کام، تو ان تین کا کوئی گناہ نہیں، چوک: جیسے شکاری نے خرگوش کو گولی ماری، اور جس کو وہ خرگوش سمجھ رہا تھا، وہ کوئی آدمی نکلا، اور وہ گولی آدمی کو جا لگی، تو اس قتل کا کوئی گناہ نہیں، دیت تو آئے گی، لیکن اس کو قتل کا کوئی گناہ نہیں ہوگا، اسی طریقہ سے بھول ہے، بھول کی وجہ سے کہیں تو عبادت بھی نہیں ٹوٹتی، اور گناہ بھی نہیں ہوتا، اور کہیں عبادت تو ٹوٹ جاتی ہے، مگر گناہ نہیں ہوتا، دورانِ نماز اگر کسی نے بھولے سے کسی شخص کو سلام کا جواب دیدیا، تو نماز ٹوٹ جائے گی، مگر گناہ نہیں ہوگا، روزہ کی حالت میں بھولے سے کچھ کھا پی لیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، اور گناہ بھی نہیں ہوا، بہرحال بھول میں کہیں عبادت ٹوٹ جاتی ہے، اور کہیں نہیں ٹوٹتی، اور گناہ دونوں صورتوں میں نہیں ہوتا۔

اور تیسری چیز ہے: زبردستی کوئی کام کروانا، جیسے مباح چیزوں میں اللہ تعالی کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے، دو چار آدمیوں نے پکڑا، اور جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کسی سے طلاق دلوائی، اس نے جان بچانے کیلئے طلاق دیدی، تو اس طلاق میں کوئی گناہ نہیں، بے ضرورت آدمی طلاق دے، تو اس کا گناہ ہوگا، اسی طرح حالتِ حیض میں اگر طلاق دے دی، تو گناہ گار ہوگا، لیکن زبردستی کرنے میں گناہ نہیں ہوگا، البتہ طلاق پڑ جائے گی۔

غرض شریعت میں چوک کا، بھول کا، اور زبردستی کوئی کام کروایا گیا ہو، تو اس کا کوئی گناہ نہیں، جب یہ بات ہے، تو ہاتھ سے جو قرآن کریم گرا ہے، اس کی دو ہی شکلیں ہوسکتی ہیں، یا تو چوک گیا ہے، یا بھول گیا ہے، کوئی مسلمان ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ ایسا کام نہیں کرسکتا، بھول سے گرے گا، یا چوک سے گرے گا، یہی دو شکلیں ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں، اور ان دو شکلوں میں کوئی گناہ نہیں، اور جب گناہ نہیں، تو کفارہ بھی نہیں۔

اور اگر کسی نالائق نے جان بوجھ کر قرآن کریم کو نیچے ڈالا، تو یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا کوئی کفارہ توبہ کے علاوہ نہیں، جیسے یمین غموس میں کوئی کفارہ نہیں، گذرے ہوئے زمانہ کی کسی بات پر جھوٹی قسم کھانا، اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کوئی کفارہ نہیں ہے، علاوہ توبہ کے، اسی طریقہ پر قرآن کریم کو جان بوجھ کر پٹخنا بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کیلئے کوئی کفارہ ممکن نہیں، توبہ کرے، اور سچی پکی توبہ کرے، تو ہی گناہ معاف ہوگا۔

بہرحال غلطی سے، نادانی سے کبھی قرآن کریم گر جائے، تو اس کا کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر کوئی

اپنے دل پر سے بوجھ ہٹانے کیلئے کچھ صدقہ وخیرات کرنا چاہے،تو کرے،ضرور کرے، کیونکہ ایسا واقعہ پیش آنے کی صورت میں مومن کے دل پر ایک بوجھ پڑتا ہے،اور صدقہ کرنے سے وہ بوجھ ہٹ جاتا ہے، باقی مسئلہ کی رو سے اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

خیر قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو بے ضو ہاتھ نہ لگایا جائے، نبی کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا احترام دل میں ہو،اور جب بھی نبی کا نام لے،تو درود بھیجے، یا سلام بھیجے،موسیٰ نے کہا، یوں نہ کہو، یوں کہو: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا، ہر نبی کا احترام دل میں ہونا چاہئے، اور یہ احترام جو دل میں ہے، وہ زبان اور عمل سے ظاہر بھی ہونا چاہئے، ایسے ہی ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جب نام آئے،تو درود پڑھے،صلوٰۃ وسلام بھیجے، یہ نبی کی تعظیم میں داخل ہے،بعض لوگ اتنا جلدی درود پڑھتے ہیں کہ وہ غیر واضح ہوتا ہے،اس طرح درود شریف پڑھنے کا کیا فائدہ؟ مزے لے کر اور واضح درود شریف پڑھنا چاہئے، واضح صلوٰۃ وسلام بھیجنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں اس شخصیت کا احترام ہے۔

نماز کی تعظیم یہ ہے کہ جب آپ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوں،تو لکڑی بن جائیں، آج کل ہماری نمازیں ایسی ہوگئی ہیں کہ بس ان کا اللہ ہی مالک ہے،نیت باندھتے ہی سارے بدن میں کھجلی شروع ہوجاتی ہے،کبھی اِدھر کھجائیں گے،کبھی ادھر، پہلے کہیں کھجلی نہیں تھی، جہاں نیت باندھی کہ چاروں طرف کھجلی ہی کھجلی،نماز سے پہلے صحیح تھے،نیت باندھتے ہی جمائیاں شروع ہوگئیں، حدیث شریف میں ہے:التثاوب فِی الصلاۃِ مِن الشیطان،نماز شروع کرنے کے بعد جو جمائیاں شروع ہوجاتی ہیں، یہ شیطان کے اثر سے ہے،نیت بندھی ہوگی، اور چاروں طرف دیکھیں گے، ہماری نمازوں کی یہ صورتِ حال ہے،وہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے دل میں نماز کی تعظیم نہیں،بس ایک وظیفہ ہے،جس کو ہم پورا کردیتے ہیں۔

نماز کی تعظیم یہ ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں،تو ایسے مستغرق ہوجائیں، کہ آپ کو نہ اپنے بدن کا ہوش رہے، نہ چاروں طرف کا، پوری طرح اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھ رہے ہوں، یہ نماز کی تعظیم ہے۔

قربانی اور ہدی کے جانور بھی شعائر ہیں، ان کی تعظیم یہ ہے کہ ان کی خدمت کرو، خوب کھلاؤ، پلاؤ،نہلاؤ، دھلاؤ،مسجدوں کی تعظیم یہ ہے کہ اپنے گھروں سے اچھا اللہ تعالی کا گھر بناؤ اور مسجد

میں آتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: اِذا مررتم بِریاضِ الجنۃِ فارتعوا ، جب تم جنت کی کیاریوں سے گذرو، تو چرو۔ جیسے جانور ہری بھری کیاری پر سے گذرتے وقت منھ مارتا ہے، تم بھی جنت کی کیاریوں پر منھ مارو، اور جنت کی کیاریاں مسجدیں ہیں، اور چرنا یہ ہے کہ مسجد میں آتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، مکروہ وقت ہو تو الگ بات ہے، وضو نہ ہو، تو الگ بات ہے، لیکن اگر باوضو ہو، اور مکروہ وقت بھی نہ ہو، تو جب بھی مسجد میں داخل ہو، دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، یہ مسجد کا احترام ہے۔

مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو کھا جاتا ہے:

حدیث شریف میں ہے: اِیاکم وھیشات السوق ، مارکیٹ میں جس طرح باتیں اور شور ہوتا ہے، اسی طرح باتیں اور شور کرنے سے مسجدوں میں بچو، جیسے کسی بڑے آدمی کے پاس جب لوگ جاتے ہیں، تو سب خاموش بیٹھتے ہیں، یہ بڑے آدمی کا ادب ہے، مسجدوں کا بھی یہ ادب ہے، کہ مسجدوں میں جاتے ہی باتیں بند ہو جانی چاہئیں، کیونکہ وہ اللہ تعالی کے گھر ہیں۔

مگر میرے بھائیو ! اس ملک کی صورتِ حال بہت بگڑی ہوئی ہے، اس ملک میں لوگ مسجدوں کو کمیونٹی سینٹر سمجھتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح خاکستر ہو جاتی ہیں، جس طرح سوکھی لکڑیاں آگ لگنے سے خاکستر ہو جاتی ہیں، نیکی ندارد، گناہ لازم ! اللہ جانے مسجد میں نیکیاں ملیں، یا نہیں، گناہ کا گٹھر ضرور مل گیا۔

مسجدوں کو باتوں سے بچانے کا طریقہ:

مسجدوں میں لوگ باتیں کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ ہے کہ لوگ دور دور سے کبھی کبھی نماز پڑھنے آتے ہیں، مستقل نمازی تو پانچ سات ہوتے ہیں، ایسے نمازی مسجد میں باتیں نہیں کرتے، جب دور دور سے کبھی کبھی نمازیں پڑھنے کیلئے آئیں گے، تو ایک دوسرے سے ملاقات پر خیریت تو پوچھیں گے ہی، کچھ کاروبار کا حال بھی پوچھیں گے، کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں بھی کریں گے، یہ وجہ ہے مسجدوں میں باتیں کرنے کی۔

آپ کہیں گے کہ یہ تو واقعی ایک ضرورت ہے، جب دور دراز سے کافی دنوں کے بعد اکٹھا ہوئے ہیں، تو باتیں تو کریں گے ہی، باتوں کیلئے کچھ تو موقع ملنا چاہئے، صحیح بات ہے، موقع ملنا چاہئے، مگر اس کیلئے انتظام کرنا چاہئے۔ میں برطانیہ پچیس سال سے جا رہا ہوں، پہلے وہاں بھی یہی

صورت حال تھی، جب ہم نے ان کو سمجھایا، تو انہوں نے آہستہ آہستہ اس پر قابو پالیا، کیسے پایا؟ مسجد کا ہال الگ کر دیا، اور مسجد کے ہال سے باہر پیسیج بنا دیا، اگر چہ جمعہ کے دن اس پیسیج میں بھی نماز ہوگی، مگر اس کو باقاعدہ مسجد میں نہیں لیا، اب جس کو افطاری کرنی ہے، پیسیج میں کرے، باتیں کرنی ہے، پیسیج میں کرے، اور مسجد کے ہال میں قدم رکھتے ہی چپ ہو جائے، اب کوئی بات نہ کرے، یہ مسجدوں کو لوگوں کی باتوں سے بچانے کا ایک طریقہ ہے، ابھی مسجدوں کے تعلق سے یہاں اتنی ترقی نہیں ہوئی، ان شا اللہ تعالیٰ ایک وقت آئے گا، کہ یہاں بھی یہ نظام بن جائے گا، فی الحال تو کرنا یہ ہے کہ یہ نظام بننے سے پہلے مسجد میں باتیں کرنے سے احتیاط برتو، باتیں کرنی ہوں، تو باہر نکل کر جہاں وضو خانہ ہے، وہاں جا کر کرو، اور یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنایا تھا، آپ نے مسجد نبوی کی مشرقی جانب میں، ایک جگہ خاص کی تھی، جس کو بطیحا کہا جاتا تھا، اور لوگوں کو حکم دیا تھا: من أراد أن يلغط، و يرفع صوتاً، و يُنشِد شعراً، فليخرج اِليه (وفا الوفا جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۵۳) یعنی جو شور و غل کرنا چاہے، یا زور سے بولنا چاہے، یا زور سے شعر پڑھنا چاہے، وہ مسجد نبوی سے اس جگہ میں جائے (اور یہ کام کرے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد سے باہر ایسی جگہ ہونی چاہئے، پھر لوگوں سے کہا جائے کہ مسجد میں دنیوی باتیں نہ کریں، پیسیج میں جا کر کریں، تو لوگ مان جائیں گے، بلکہ یہاں کے لوگ تو سمجھدار ہیں، کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ و آخِر دعوانا نِ الحمد لله ربِ العالمِين

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۹ کا

اور یہ بھی ایک بدیہی امر ہے کہ قرآن کریم کے حفظ میں نہ تو انسانی کوششوں اور نہ عرب اور مسلمانوں کی کاوشوں کا دخل ہے، امت مسلمہ بہت سے المیہ کا شکار ہوئی اور ایسے مراحل سے گذری کہ اگر قرآن حکیم کی حفاظت ان سے وابستہ ہوتی تو قرآن حکیم کب کا محو ہو چکا ہوتا بلکہ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ اس رب نے بذات خود لیا ہے جو قرآن حکیم کا بھی رب ہے، سارے جہان کا خالق ہے، دنیا کا مالک ہے پوشیدہ اور ظاہر تمام حقائق کا جاننے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

مصادر ومراجع

1۔قرآن کریم 2۔الظاہرالقرآنی ۔مالک بن نبی

-3موسوعة بيان الاسلام الرد على الافتراء ات والشبهات القسم الاول القرآن المجلد الثاني نخب من كبار العلما 4۔مذاہب التفسیر الاسلامی۔عبدالحلیم النجار

قرآن کریم کے خلاف جنگ اور علما امت کا دفاع

ترجمہ وتلخیص: مولانا وزیر احمد ندوی
استاذ شعبہ عربی ویسٹ منسٹر کالج ر دبئی ر متحدہ عرب امارات

قرآن کریم کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ قرآن کریم کے نزول کے وقت ہی سے شروع ہو گیا تھا، اس محاذ آرائی کی آگ اسی وقت بھڑکنا شروع ہوگئی تھی جب قرآن کریم نے بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی، قرآن مجید نے اس ابتدائی جنگ کا تذکرہ خود کیا ہے۔ یہ جنگ کبھی سخت ہوجاتی اور کبھی سرد پڑ جاتی، لیکن صلیبی جنگوں کے وقت قرآن کریم پر افترا پردازیوں اور محاذ آرائیوں میں اس وقت شدت آ گئی جب بعض مستشرقین نے قرآن کریم کے رد وابطال کے موضوع پر کتابیں لکھیں، قرآن مجید کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا تا کہ قرآن کریم میں تحریف کا راستہ کھل سکے۔ مستشرقین کی یہ تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور واضح ہوگئی، لیکن قرآن مجید پر موجودہ حملہ گذشتہ تمام حملوں سے زیادہ خطرناک ہے، اس حملہ میں چینلوں اور ویب سائٹوں کا سہارا لیا گیا۔ امریکہ نے ایک من گھڑت قرآن **الفرقان الحق** کے عنوان سے پیش کرنے کا دعویٰ کیا لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود قرآن کریم ہی کو فکری غلبہ حاصل ہوا کیونکہ اللہ تعالی کے اس کلام کے درمیان جس کو اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت اور ان کے قلبی سکون کے لئے اتارا ہے اور انسان کے من گھڑت کلام کے درمیان بہت فرق ہے۔ خیر وشر اور حق وباطل کے درمیان رسہ کشی برابر رہے گی یہ اللہ تعالی کی سنت ہے شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ہر زمانہ کے علماء نے قرآن حکیم پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور افترا پردازیوں کا کھل کر دفاع کیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی کوششیں قابل قدر ہیں، علماء امت نے بہت ساری

کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں جن میں سے مندرجہ کتابیں بہت نمایاں ہیں:

☆ الردعلی ابن الراوندی۔مصنفہ الجاحظ المتوفی 255ہجری
☆ مشکل القرآن- مصنفہ ابن قتیبہ الدینوری المتوفی 276ہجری
☆ التمہید -اعجاز القرآن- مصنفہ ابوبکر باقلانی المتوفی 403ہجری
☆ تنزیہ القرآن عن المطاعن- مصنفہ القاضی عبدالجبار المتوفی 415ہجری
☆ حقائق الاسلام واباطیل خصومہ- عباس محمود العقاد
☆ شبہات حول الاسلام- محمد قطب

ان کتابوں کے علاوہ بہت سے مفسرین نے اس موضوع پر اپنی تفسیروں میں بحث کی ہے جن میں مندرجہ ذیل تفسیر نمایاں اہمیت کی حامل ہیں:

☆ معانی القرآن- تصنیف-امام الفراالمتوفی 207ہجری
☆ الکشاف- تصنیف -الزمخشری المتوفی 538ہجری
☆ التفسیرالکبیر) مفاتیح الغیب (امام رازی المتوفی 604ہجری
☆ روح المعانی-امام آلوسی المتوفی 1270ہجری
☆ تفسیر التحریروالتنویر- مصنفہ - محمد طاہرابن عاشور
☆ تفسیر المنار- محمد رشید رضا مصری . 1935_1865
☆ مناہل العرفان فی علوم القرآن-الزرقاوی.

اس طرح زمانہ قدیم اور زمانہ جدید میں قرآن کریم کے اعراب پر بھی کتابیں لکھی گئیں جن میں چند معرکۃ الآرا کتابیں یہ ہیں:

☆ معانی القرآن واعرابہ۔الزجاج۔تاریخ وفات 311ہجری.
☆ اعراب القرآن-النحاس- تاریخ وفات ۔338ہجری.
☆ التبیان فی اعراب القرآن-العکبری۔تاریخ وفات 618ہجری.
☆ اعراب القرآن الکریم۔محی الدین الدرویش۔

آج قرآن کریم پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر انہیں کتب سے ماخوذ ہیں،اعتراض اور شبہ کرنے والوں نے شبہ کو نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی ہے بلکہ اس شبہ اور

اعتراض کواس قدر بڑھا کراور مختلف انداز میں پیش کیا ہے کہ ایک اعتراض سے دسیوں اعتراض جنم لیتے ہیں بلکہ اعتراضات اور شبہات سے ایک قدم آگے بڑھ کر انہوں نے قرآن حکیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بہتان تراشی کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ افترا پردازیاں گالیاں ہیں جن سے اعراض ہی بہترین علاج ہے۔

قرآن حکیم پر حملہ کیوں؟

قرآن حکیم کے خلاف محاذ آرائی کے بہت سے اسباب وعوامل ہیں جن کو مختصر طور پر ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

نفسیاتی سبب: بسا اوقات حقائق کے ابطال اور ان کی تحریف کا سہارا اپنی کمزوری اور بے بسی کو چھپانے کے لئے لیا جاتا ہے، مقابلہ سے بے بسی اور کمزوری حقائق کے انکار کا روپ دھار لیتی ہے، جیسا کہ یہ حقیقت ہے کہ منفی صفات کا اپنانا خود دوسروں پر اتہام کے مترادف ہے، اور علم النفس کے ماہرین کے نزدیک یہ ایک طرح کا PROJECTION پروجیکشن ہے جس کا سہارا انسان اس وقت لیتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ذہنی اور فکری پریشانیوں سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ اسے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ غلبہ طاقتور فکر ہی کو حاصل ہوگا اور دین اسلام جیسا کہ حقیقت ہے عقیدہ اور اخلاق کے لحاظ سے دیگر مذاہب سے زیادہ طاقتور ہے، اسلام کی طاقت اس کے متبعین کی کثرت میں پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے بلکہ اسلام کی قوت خود اسلام کے اندر پوشیدہ ہے، اس لئے کہ یہ دین حق ہے، سرتا پا خیر ہے، امن وسلامتی ہے۔یہیں سے مغرب اپنے سیاسی اقتصادی اور عسکری تفوق کے باوجود فکری طور پر مات کھا جاتا ہے اور عقل وانصاف کا دامن تھامنے کے بجائے طاقت اور ظلم وزیادتی کے ذریعہ اصل حقیقت کو چھپانے اور اس کے ابطال کا سہارا لیتا ہے۔

وجدانی اور علمی سبب: موجودہ عصر میں سیاسی، اقتصادی اور عسکری میدانوں میں مسلمانوں کی شکست وریخت کے باوجود مغرب فکری طور پر اسلام کے مقابلہ میں ناکامی کا شکار ہے، قرون وسطیٰ میں قرآن حکیم پر افترا پردازی درحقیقت عقیدہ اور فکر میں اسلام کے مقابلہ میں چرچ کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ وحدانیت کے عقیدہ کے سامنے تثلیث کا عقیدہ بے بنیاد ثابت ہوا اس میں اس امر کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ چرچ نے زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی جبکہ اسلام

دین ودنیا دونوں کا جامع ہے، اس لئے عیسائیوں اور مسیحیوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے چرچ کے سامنے صرف ایک راستہ رہ گیا اور وہ یہ ہے اسلام کے پیغام کی شکل وصورت کو یکسر مسخ کر دیا جائے آج تک مغرب اور اہل مغرب دوسروں کے اخراج اور مسترد کردینے کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر طعن وتشنیع میں لگے ہوئے ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام دوسروں کے اخراج پر عمل پیرا ہے، چرچ نہ تو اسلام کو دین تسلیم کرتا ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، اور نہ قرآن کریم کو کتاب مقدس۔ ان کے نزدیک قرآن کریم ایک جھوٹ ہے، محمد ﷺ کا ایجاد کردہ ہے یا وہ یہودیت اور نصرانیت کا تسلسل ہے اور نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاریخی وہم ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وحشی ہیں اور مسلمان بربر اور خونریز قوم ہے، حالانکہ ان کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ اسلام دوسروں کا اعتراف کرتا ہے بلکہ ایک مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تمام انبیا اور کتابوں پر ایمان نہ لائے۔

استشراقی فکر اور قرآن کریم پر حملہ:

وہ عدل وانصاف جس کی بنیادوں پر قرآن کریم نے ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی کو استوار کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم اس بات کا برملا اعتراف کریں کہ سارے مستشرقین برابر نہیں ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے حق کا ساتھ دیا ہے اور عدل وانصاف سے کام لیا ہے، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ظلم وزیادتی کی ہے ہم یہاں پر انہیں مستشرقین کے نمونے پیش کریں گے جنہوں نے قرآن کریم کے ساتھ انصاف کے بجائے ظلم وزیادتی سے کام لیا ہے، ہم یہاں ان مستشرقین کے چند افکار ونظریات کا جائزہ لیں گے جنہوں نے قرآن کریم کے مطالعہ کے وقت قرآن کریم سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا ہے۔

☆ تھیوڈر نولڈکے (1834_1930-) کی کتاب جس کا عنوان ہے: تاریخ القرآن (Geschichte Des Qoran) یہ قرآن حکیم پر لکھی جانے والی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے، بعد میں آنے والے مستشرقین اس کتاب سے بہت متاثر ہیں، یہ کتاب قرآن کریم کے مطالعہ کے لئے مستشرقین کے نزدیک انجیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ پروفیسر اجناس گولڈ زیہر) پیدائش 22 جون-1850 وفات 13 نومبر (1921 کی کتاب Die Richtungen der Islamischsn koranauslegnug

☆ مشہور امریکی مستشرق جون وانسبرو (John Wansborough) (1928_2002) کی کتاب (Sources and methods of studies scriptural interpretation) جون وانسبرو کی یہ کتاب سب سے زیادہ خطرناک ہے اس کتاب نے ان متاخرین مستشرقین کو بہت متاثر کیا ہے جنھوں نے قرآن کریم اور تاریخ اسلامی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ جون وانسبرو کے وہ جھوٹے اتہامات جو اس نے قرآن کریم پر لگائے ہیں ان کا مدلل ومفصل جواب ایک عرب اسکالر سعد بن عبداللہ عبدالعزیز الرشید نے " مکہ مکرمہ سے اسلامی لٹریچر " نامی اپنی کتاب میں دیا ہے۔ فاضل اسکالر نے دلیلوں کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کے وہ نقوش جو مکہ مکرمہ کی چٹانوں اور پتھروں پر پائے گئے ہیں وہ وانسبرو کے اس نظریہ کی کھلم کھلا تردید کرتے ہیں جس میں وہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوا

☆ نیل رابنسن۔ 1908_1983 کی کتاب Discovering: the Quran : A contemporary Approachto a veiled text (پوشیدہ متن کا ایک معاصرانہ نقطہ نظر)

☆ کریستف لوکسنبرگ :) جرمن مستشرق: (کی تصنیف Die syro - aramaischer Lesart Des Koran,Ein Beitrag zuer Entschlusselung der Qur'an spray:

(قرآن کریم کی شامی اور آرامی ریڈنگ: قرآن کریم کی زبان کی تحلیل کی ایک کوشش)

کریستف غالبا ایک وہمی اور مستعار نام ہے، گذشتہ چند سالوں میں قرآن کریم کے خلاف محاذ آرائی میں یہ نام زیادہ مشہور رہا ہے شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ قرآن کریم پر حملوں کی وجہ سے حقیقی مصنف مسلمانوں کے ری ایکشن سے ڈرتا ہو اس لئے اس نے یہ نام مستعار لے لیا ہو۔

☆ ابن وراق: (ایک ہندی الاصل مستشرق) کی کتاب (Why I am not Muslim) (میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟) اس کتاب میں علمی اسلوب میں مذہب اسلام کو سخت نشانہ بنایا گیا ہے گرچہ مضمون میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

یہ چند نمونے ہیں جو ہم نے یہاں پر ذکر کئے ہیں تا کہ مطالعہ کرنے والوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ مستشرقین نے کس قدر قرآن حکیم پر حملے کئے ہیں علامہ استاد محمود شاکر نے ان محاذ

آرائیوں کے بارے میں بہت سچ اور صحیح بات لکھی ہے۔ وہ مالک بن نبی کی کتاب الظاہر القرآنی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں "دشمن کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک تہذیب کا دوسری تہذیب سے مقابلہ کیا جائے یا گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا جائے یا حق کے ذریعہ باطل کو شکست دی جائے یا کمزوری کے اسباب کو قوت کے اسباب سے مٹایا جائے بلکہ ان مستشرقین کا پہلا اور آخری مقصد یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں ثقافت اور کلچر کے میدان میں ایسے بیمار اور زخم خوردہ افراد پیدا کئے جائیں جن کا معاشرہ میں کوئی وزن نہ ہو اور وہ ایسے لوگ ہوں جو انہیں کے طرز کے مطابق سوچیں اور غور کریں، گویا ان مستشرقین کے جرائم ایک عظیم ثقافت کی بیخ کنی میں ان کے انہی جرائم کی طرح ہیں جو انہوں نے ملکوں کی بیخ کنی میں انجام دیئے ہیں، اور وہی ہوا جو اللہ تعالی نے مقدر کیا تھا دشمن اپنے اس حربہ میں کامیاب ہو گیا۔

قرآن کی چمک دمک میں اضافہ:

جو شخص قرآن کریم کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ قرآن کریم کی ایک خصوصیت جو قرآن کریم کے اعجاز کی دلیل بھی ہے یہ ہے کہ قرآن کریم پر جتنے حملے کئے گئے ہیں اتنا ہی قرآن کریم طاقت وقوت کے ساتھ ابھرا ہے۔ قرآن حکیم کے ابدی حقائق نے ان افترا پردازیوں کا قلع قمع کر دیا ہے جو قرآن کریم کے ان دشمنوں نے اس پر لگائے ہیں اور اللہ تعالی کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا ہے(لَا يَـأْتِيـهِ الْبَـاطِـلُ مِـنْ بَيْـنِ يَـدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِنْ حَكِيْمٍ حَـمِيْد (سورہ حم سجدہ:۴۲) باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ کتاب اس ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے جو حکیم ہے اور لائق تعریف ہے۔

قرآن کریم کی آیات عقل کو آسودگی اور قلب کو سکون بخشتی ہیں اور کجی اور افترا پردازی کا قلع قمع کرتی ہیں جس کی وجہ سے سرکش کے سامنے دو ہی راستہ باقی رہتا ہے، یا تو وہ دلیل کے ساتھ ایمان لائے یا دلیل کے ساتھ اس کا انکار کر دے۔ قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو سرکش اور منکر سے تخاطب پر قدرت رکھتا ہے کیونکہ یہ مخلوق سے خالق کا خطاب ہے اور وہ ان کو زیادہ جاننے والا ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (سورہ ملک:۱۴) سنو وہ اس کو جانتا ہے جسکو اس نے پیدا کیا اور وہ باریک بیں اور جاننے والا ہے۔

قرآن کریم میں ایسے نمونے موجود ہیں جو سرکش سے ڈائیلاگ کی طرف اشارہ کرتے ہیں انہیں میں سے نمرود سے قرآن کریم کا ڈائیلاگ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاجَّ اِبْرَاهِيْمَ فِىْ رَبِّهِ اَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيِىْ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ البقرۃ:۲۵۸) کیا اپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے رب کے بارے میں ابراہیم سے مباحثہ کیا، اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی تھی ابراہیم نے کہا میرا رب زندگی اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے سورج لا دے تو وہ کافر سشدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہی دیتا۔) اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے فرمان باری تعالیٰ ہے: هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵) یہ قرآن کریم لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے دلائل ہیں) قرآن کریم کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ میں اس ربانی ہدایت کا راز مضمر ہے جس کے لئے قرآن کریم کا نزول ہوا ہے جب یہ ہدایت دل کو چھو جائے اور عقل اس پر غور کرے تو اس کو محفوظ پناہ گاہ اور ابدی حقیقت نصیب ہو جاتی ہے اور پھر وہ ان آیات ہدایت پر ایمان لاتا ہے اور ایمان و تصدیق سے اس کا دل معمور ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہے اور عقل و تجربہ بھی اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم کے خلاف موجودہ محاذ آرائی بھی قرآن کریم کے مفاد میں ہے، جس طرح گذشتہ حملوں میں قرآن کریم ہی کو غلبہ حاصل ہوا ہے اور کامیابی ہمیشہ نتائج سے ہوتی ہے، ان حملوں کے بعض نتائج درج ذیل ہیں۔

ان حملوں کے نتیجہ میں قرآن کریم کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے، سلجھے ہوئے لوگ غور و فکر کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس قدر وہ تحقیق اور غور کرتے ہیں قرآن حکیم سے ان کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں جس میں ہمیشہ نقص اور کمی کا امکان رہتا ہے، یہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کا کلام ہے اس کی آیات راہنما اور معجز ہیں، قرآن کریم کمال کی بلندیوں پر فائز ہے۔ بہتیرے لوگوں نے قرآن کریم میں شک وشبہ کیا لیکن جب ہدایت ان کو راس آ گئی تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بابرکت ہے وہ

ذات جس کا یہ کلام ہے۔

ان حملوں کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنی عملی ،معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں قرآن کریم سے کٹ جاتے ہیں وہ ان حملوں سے خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم سے انصاف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنے احوال کی درستگی پر توجہ دینے لگتے ہیں تا کہ وہ اپنے آپ کو اس قرآن عظیم کا سچا آئینہ بنا سکیں اور وہ نیکی ان کے اندر ظاہر ہو جائے جو اللہ تعالی قرآن کریم کے ذریعہ ان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے، كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس (سورہ آل عمران:۱۱۰) خطرہ کا احساس مسلمانوں کے اندر اللہ تعالی کی پناہ لینے اور قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامنے کا ذریعہ بنتا ہے ،منکرین قرآن کریم کے شبہات اور حاسدوں کی تمام افترا پردازیوں کے باوجود غلبہ قرآن کریم کو حاصل رہا ہے ،اور یہ اس وقت سے ہے جب سے قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، کافروں کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ اس قرآن کریم میں شک وشبہ پیدا کر کے لوگوں کو اس کے سننے سے روکا جائے اللہ تعالی نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم سجدہ:۲۶) اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا اس قرآن کو مت سنو اور اس کو پڑھے جانے کے وقت شور مچا تا کہ تم کو غلبہ حاصل ہو جائے۔

فیصلہ کن مقابلہ قرآن کریم کی ان آیات میں ہے جس نے ان کو چیلنج کیا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (سورۃ البقرۃ:۲۳) جب بلاغت کے شہ سوار قرآن کریم کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے طریقہ کا سہارا لیا اور وہ لین دین کا طریقہ ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس پر ڈیل کی کوشش کی کہ وہ ان آیات کو بدل کر ایسی آیات لائیں جو ان کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں ارشاد باری تعالی ہے) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سورہ یونس:۱۵)

اللہ تعالی نے قرآن کریم کی آیت کے طریقہ ادائیگی یا آیت کے کلمے اور حرف کو بھولنے سے نبی کریم ﷺ کی حفاظت فرمائی۔قرآن حکیم کی آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن حکیم کے سننے کے وقت اس بات کے شدید خواہش مند

ہوتے کہ ان کلمات اور حروف کو بار بار دہرائیں یہاں تک کہ اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ○ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (سورہ قیامہ:۱۶/۱۷) ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ (سورہ الاعلیٰ:۶) یہ تمام آیات اس بات کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتی ہیں کہ دین اسلام نہ تو انسانی معاملہ ہے نہ عقل کی پیداوار ہے بلکہ اللہ تعالی جو سارے جہان کا رب ہے اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جب مشرکین مکہ قرآن حکیم کا مقابلہ نہیں کر سکے تو انہوں نے قرآن کریم کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ یہ ایک جادو ہے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے عتبہ بن ربیعہ (جو عربی زبان وادب ،فصاحت وبلاغت اور حکمت ودانائی کا سرخیل مانا جاتا تھا) کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا، جب عتبہ نے قرآن کریم کی آیات سنی اور ہدایت نے اس کے دل کو چھو لیا تو وہ قریش کے پاس واپس آیا اور ان کو اطلاع دی کہ قرآن حکیم انسانی کلام نہیں ہے، تو وہ کہہ پڑے کہ "محمد نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔

سال اور صدیاں گذرتی گئیں، قرآن کریم پر اعتراضات اور افترا پردازیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ سب سے خطرناک حملہ قرآن کریم پر اس وقت ہوا جب صلیبی استعمار نے مشرق اسلامی پر اپنا قبضہ جما لیا، مستشرقین کی ایک جماعت نے قرآن کریم کے خلاف کتابیں لکھیں اور ایک دوسری جماعت نے قرآن کریم کے کلمات کا حرف بحرف لیٹن زبان میں ترجمہ کیا تا کہ قرآن کریم میں تحریف کا راستہ کھل سکے، لیکن یہ تمام کوششیں ناکام رہیں اور قرآن کریم مزید طاقت وقوت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا۔

آج ہمارے موجودہ زمانہ میں قرآن حکیم زبردست حملوں کا نشانہ بن رہا ہے یہ حملہ افراد کی طرف سے بھی ہو رہا ہے اور علمی واجتماعی تنظیموں کی طرف سے بھی ہو رہا ہے، حکومتیں بھی اس حملہ میں برابر کی شریک ہیں تا کہ یہ شبہ پیدا کیا جا سکے کہ قرآن کریم ایک من گھڑت کتاب ہے۔

یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم قرآن حکیم کی ایک اہم خصوصیت کا تذکرہ کر دیں جو صرف قرآن حکیم کے ساتھ خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں قرآن حکیم وہ واحد کتاب ہے جس کے ماننے والوں نے زبانی طور پر اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا ہے یہ وہ واحد کتاب ہے جو مسلمانوں کے درمیان تلاوت اور زبان کے ذریعہ ایک سے دوسرے تک منتقل ہو رہی ہے اور دشمن اس میں تبدیلی و تحریف نہیں کر سکتے۔ درحقیقت اللہ تعالی کے اس ایفائے عہد کی ایک جھلک ہے جو اس نے اس آیت میں کیا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجر:۹) بقیہ ص:۴۰ پر

قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

(برما سے سعودیہ تک)

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

برما جو اَب میانمار کہلاتا ہے، کسی زمانے میں اس کی وہی حیثیت تھی جو اس وقت خلیج کی ہے، اس کا ایک صوبہ اراکان ہے جس کو رخائن کہا جاتا ہے، وہاں روہنگیا مسلمان تقریباً ۴ فیصد آباد ہیں، جن کی کل آبادی تقریباً ۲۰ لاکھ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو عرصۂ دراز سے ستائے ہوئے لوگ ہیں، جنہوں نے بڑے بھیانک قسم کے نسلی تشدد کا سامنا کیا ہے، ۱۹۸۲ء میں نافذ کیے گئے شہریت کے نئے قانون Citizenship Act نے تو ان کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی، شاید ہی کوئی صبح ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلی ہو اور کسی شام انھوں نے چین کی نیند لی ہو، کسی دن انھوں نے آسودہ ہو کر کھایا ہے، ان کو شادی کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت کی ضرورت، بچے پیدا کرنے میں بھی وہ قانون کے پابند، انھیں اپنی حدود اربعہ سے نکلنے کی کوئی اجازت نہیں، ان پر الزام ہے کہ وہ نسلاً برمی نہیں بلکہ بنگالی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جس علاقے میں آباد ہیں اس کی سرحدیں بنگلہ دیش سے ملتی ہیں اور روہنگیا مسلمانوں کا ایک طبقہ تہذیبی اور لسانی طور پر بنگلہ زبان و کلچر سے وابستہ ہے، لیکن تحقیق کے مطابق ان کی اکثریت کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔

ان تمام غیر انسانی پابندیوں اور وحشیانہ سلوک کے باوجود کسی نہ کسی طرح یہ لوگ وہاں زندگی گزار رہے تھے، ۲۰۱۲ء میں اچانک وہاں فساد پھوٹ پڑا، جس کا سبب زنا بالجبر کا ایک واقعہ بتایا جاتا ہے، خدا معلوم کہ اس واقعہ میں کس حد تک سچائی تھی، لیکن اس کے بعد بے بس لوگوں پر جو قہر ٹوٹا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے، فسادات کی یہ آگ دراصل نسلی تشدد اور سیاسی مفادات کے سبب بھڑکائی گئی جس نے آگے چل کر مذہبی تشدد کا رنگ اختیار کر لیا، سوشل میڈیا پر معتبر ذرائع سے جو رپورٹ اور تصاویر و ویڈیوز آئی ہیں انھیں دیکھ کر بے حس کا کلیجہ بھی منہ کو آتا ہے، یہ الگ بات کہ پاکستان کے کچھ

چندہ مافیاؤں نے ان مظلوموں کی مظلومیت پر بھی ترس نہیں کھایا اور جعلی تصاویر وویڈیوز بھی خوب اپ لوڈ کیا، جس سے بے چارے روہنگیا مسلمانوں کو ہی نقصان ہوا، خوف وہراس کے عالم میں جینے والے ان مظلوموں کے لیے گویا عرصۂ حیات تنگ ہے، اراکان کی سرزمین ان کے لیے وادئ جہنم بن چکی ہے، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کردی گئی ہے، ہجرت کے راستے بھی ان پر مسدود ہیں، پھر جان بچا کر بھاگنے والوں میں سے کچھ لوگ جن کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے ہندوستان میں پناہ گزین ہیں، تقریباً تین لاکھ کی تعداد بنگلہ دیش کے سرحدی علاقہ میں کسی مپرسی کے حال میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے، کچھ لوگ انڈونیشیا ہجرت کرگئے ہیں، ایک بڑی تعداد کشتیوں کے ذریعہ ہجرت کے دوران اپنی جانیں سمندر کی نذر کرچکی ہے، ہزاروں کی تعداد میں مرد، عورت، بوڑھے اور بچے موت کی نیند سلا دئے گئے ہیں، جنھیں مارا گیا ہے، انھیں صرف مارا نہیں گیا ہے، بلکہ تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو تڑپا تڑپا کر قتل کیا گیا ہے، پوری پوری بستیاں آگ لگا کر خاک میں ملادی گئی ہیں، اذیت دینے کا ہر حربہ آزمایا گیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اراکان کی یہ یورش روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی Genocide کے لیے برپا کی گئی ہے، اب تو چوطرفہ یہی بات کہی جارہی ہے، آج ۱۶ستمبر کے اخبار میں بعض عالمی تنظیموں نے بڑے پیمانے پر روہنگیا خواتین کی عصمت دری پر حیرت کا اظہار کیا ہے، وہاں قتل عام کی ایسی وارداتیں انجام دی گئی ہیں کہ بعض اہل قلم ان وارداتوں کو دیکھ کر سورہ بروج میں ذکر کیے گئے ''اصحاب الاخدود'' کے واقعہ کو ان پر منطبق کرنے لگے، قرآن میں مذکور اصحاب اخدود کا واقعہ دور وحشت میں انجام پایا مگر یہ تو دور ترقی ہے پھر بھی دنیا کی مہذب قومیں اس وحشت وبربریت پر خاموش تماشائی ہیں۔

ایسا لگتا ہے جیسے گوتم بودھ کے پیروکاروں نے اپنا مذہبی نظریہ ہی بدل دیا، جہاں جنگ وجدال کی گنجائش ہی نہیں تھی اور جن کے یہاں دنیا بیزاری مذہبی امتیاز تھا ان کے منہ کو خون ایسا لگا کہ ان کو ٹار چر کرنے، درد سے اٹھنے والی ٹیسیں اور عضو عضو کاٹ کر تڑپانے میں مزا آنے لگا، اس کے پیچھے مذہبی جنون ہے جس نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے، درحقیقت انھیں اسلام سے خوف ہوا، پھر ان کو ایک راہب آشن وراتھو نے اکسایا اور اس حد تک اکسایا کہ فوج اور بدھ مت کا نام لینے والے آدم خور بھیڑیوں نے انسانیت کو شرمسار کردیا اور ظلم کی تمام حدیں پار کردیں، روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ کب سے چل رہا ہے؟ اصل مسئلہ کیا ہے؟ ظلم اس قدر کیوں کیا گیا؟ حکومت کی سرپرستی، فوج کی

بربریت اور عوام کی ظالمانہ کاروائی سب ایک ہی رجحان کی پابند کیوں ہوگئی؟ یہ اور ایسے متعدد سوالات ہیں جن کے جواب میں بے شمار مضامین لکھے گئے ہیں، یہاں ان تفصیلات سے قطع نظر بعض دوسرے اہم پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

۲۰۱۲ء میں جب روہنگیا مسلمانوں پر ظلم وتشدد شروع ہوا تو بھی عالمی منظرنامے پر خاموشی نظر آئی، ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو جب دوبارہ تشدد کا سلسلہ شروع ہوا تو کچھ اسی طرح کی خاموشی چھائی تھی، مگر پھر کچھ برادران نے پوری قوت کے ساتھ اس مسئلہ کو سوشل میڈیا پر اٹھایا، جس کے نتیجہ میں عالمی پیمانے پر بلاتفریق مذہب وملت علمِ احتجاج بلند ہونے لگا، برما کی وزیر اعظم کو اپنی خاموشی توڑنا پڑی اور شرمناک سہی مگر اس نے ایک بیان دیا، ادھر غیرت اسلامی سے سرشار قائد ملت رجب طیب اردوغان نے عالمی ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، انھوں نے عالمی برادری کو بھی اپنے بے باک انداز میں مخاطب کیا اور عرب ومسلم حکومتوں کو بھی بیدار کرنے کی کوشش کی، مگر صد حیف کہ غفلت کے مارے بے بس عرب حکمراں کیسے جاگیں گے معلوم نہیں، اردوغان نے ایک ہزار ٹن امدادی سامان بھیجنے کا اعلان کیا، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس مسئلہ کو اٹھانے کا وعدہ کیا، آنگ سانگ سوچی سے فون پر بات کی، ترکی کی امدادی ٹیم کے برما جانے پر گفتگو ہوئی، یہی نہیں بلکہ اپنی بیگم امینہ اردوغان، اپنے صاحبزادے اور ترک سماجی تنظیموں کے وفد اور وزیر خارجہ کو بنگلہ دیش بھیجا، بیگم کے وفد میں کچھ ماہرین نفسیات اور اساتذہ بھی موجود تھے جن کو بنگلہ دیش میں روہنگیا مسلمانوں کے کیمپ کے لیے بھیجا گیا ہے، ترک سماجی تنظیموں نے باقاعدہ وہاں اپنے دفاتر قائم کر لیے، ترک وزیر خارجہ نے بنگلہ حکومت کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اپنے ملک کی سرحدوں کو ان بے کسوں کے لیے کھول دے ان کی کفالت کی ذمہ داری مکمل طور پر ترکی اٹھائے گا، بنگلہ دیش بھی مہاجرین کے بوجھ کر برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کی معاشی حالت وہاں کی نکمی حکومتوں کے سبب نہ کبھی مستحکم ہوئی ہے نہ ہونے کی امید ہے، تقریبا تین لاکھ روہنگیا وہاں پہنچ چکے ہیں، ابتدا میں تو انھیں داخل ہونے سے بھی روکا جا رہا تھا، مگر ترکی کی یقین دہانی کے بعد یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہوا ہے، مجموعی طور پر بنگلہ دیش میں مختلف قسم کے پناہ گزینوں کی تعداد سات لاکھ بتائی جاتی ہے، ترکی کے اقدام ویقین دہانی اور عالمی پیمانے پر ہونے والے احتجاجی مظاہروں کے سبب اقتدار کی بھوکی، خون کی پیاسی ''بنگالی حسینہ'' بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ جب تک روہنگیا واپس اپنے گھر نہیں چلے جاتے ہم ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔

خدا ترکی کے بازؤں کو مضبوط کرے، دور حاضر میں مواسات ومواخات کی جو مثال ترکی نے قائم کی ہے وہ ہمیں ہماری تاریخ یاد دلاتی ہے، امینہ اردوغان جب ڈھاکہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتریں، بنگلہ دیش حکومت کی طرف سے ان کا استقبال کیا گیا اوران کو استقبالیہ مشروبات پیش کیے گئے انھوں نے کہا کہ وہ پانی روہنگیا پناہ گزینوں کے کیمپ میں ہی جا کر پیئیں گی، چنانچہ آنسو پونچھنے والوں کا یہ قافلہ وہاں پہنچا، ایک شفیق ماں کی طرح امینہ اردوغان نے بچوں کو گلے لگایا، لٹے پٹے زخمیوں کی مزاج پرسی کی، بے بسی کی تصویر بن جانے والی عفیف عورتوں کو سینے سے لگایا، ظاہر ہے کہ ان بے یارو مددگار اور بے گھر لوگوں کے پاس نہانے دھونے کی سہولیات کہاں جبکہ انھیں تو کھانا پینا تک میسر نہیں، سفر نے پراگندہ کر رکھا تھا، کیمپوں کی ناگفتہ بہ حالت نے ان کی حالت بگاڑ رکھی تھی، گندے کپڑے، میلے کچیلے جسم، وہاں کے رطوبت آمیز موسم کے سبب پسینے کا بھپکا، مگر یہ سب بھول کر ترک خاتون اول ایک ایک عورت کو سینے سے لگا کر اشک سوئی کر رہی تھی اور حوصلہ بڑھا رہی تھی، ایک خاتون ان ہی میں ذرا پڑھی لکھی تھی، حالات کی ماری تھی مگر اس کی تہذیب اس حالت میں اسے خاتون اول کے قریب جانے سے روک رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں وہ کس طرح ان سے بغلگیر ہو، امینہ اردوغان نے بھانپ لیا تو اسے کھینچ کر سینے سے لگایا اور پھر انما المؤمنون اخوۃ کی تشریح کچھ اس خوبصورت انداز سے کی کہ ''اسلامی اخوت کی خوشبو مشک وعنبر کی خوشبو سے بہتر ہے''، ترکی نے ۲۰۱۲ میں بھی اس طرح کے اقدامات کیے تھے اور اب بھی اس نے مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کالجسد الواحد اذا اشتکیٰ منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمیٰ (مسلم ۶/۶۵۸۶) کی مثال پیش کی ہے، اس موقع پر ایک سینیر وباخبر اور حالات پر گہری نظر رکھنے والے ندوی فاضل کی چند سطریں یہاں پیش کرنے کو جی چاہتا ہے، جس کا قصہ یوں ہے کہ ایک تحریر ایم وودود ساجد کی ''خود فریبی کی انتہا'' کے عنوان سے گردش کرتی نظر آئی، جس میں بعض غلط اقدامات پر تنقید تھی، مگر ساتھ ہی اردوغان کا ذکر تضحیک آمیز لہجے میں کیا گیا تھا، میں نے اس پر مختصر تبصرہ ایک حلقہ میں لکھا:

''باتیں تو بہت سی درست ہیں مگر مجھے نہیں معلوم کہ اس شخص کو اس شخصیت سے کیوں چڑ ہے جس کے سینے میں ایک مسلمان دل دھڑکتا ہے۔۔۔۔۔ان کے ایک مضمون میں ترکی میں عربی کے احیاء کی تردید کی گئی تھی اور اس حوالے سے اردوغان

پر سخت اور ذلت آمیز تنقید تھی۔۔میں نے اس کا تعاقب بھی کیا تھا۔۔۔۔دیکھیے کس طرح امیر المومنین کہہ کہہ کر طنز وتعریض کے تیر برسا رہا ہے''۔

اس کے جواب میں جناب شکیل احمد اعظمی مقیم بحرین نے یہ سطریں لکھیں جنھیں پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

''ایوبی صاحب آپ نے میرے بھی دلی احساسات کی ترجمانی کر دی۔نفرت وعداوت اور حقد وحسد سے آلودہ تحریریں خواہ ان میں فصاحت و بلاغت کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے غازہ ملنے اور شیریں بنانے کی کتنی ہی سعی نامراد کر لی جائے بدبو کا بھبھوکا ضرور اٹھتا ہے اور مشام جاں کو زہر آلود کرتا ہے۔بدقسمتی سے یہ تحریر اسی قسم کی ہے۔آج کے اس ابتلاء وآزمائش کے دور میں وہی مرد حق جو بزدلوں کی بھیڑ میں واحد نڈر قائد ہے، بے حیائی و بے شرمی کے طوفان میں اسلامی شرم وحیا کا پیکر ہے، حمیت وغیرت کا جہاں فقدان ہے وہاں اس نے حقیقی اسلامی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باطل طاقتوں کو تنہا للکارا ہے، جس نے بے حس حکمرانوں کے درمیان سے نکل کر امت مسلمہ کے نہتھے کمزور مظلوم اور بے بس شیوخ و شباب اور کمسن بچوں کی آنکھوں سے آنسو پونچھے ہیں، امت کی مظلوم خواتین ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے سروں پر ہاتھ رکھا۔روہنگیا مظلوموں کا ڈھارس بندھانے کے لئے اپنی بیوی اور بیٹے کو ان کیمپوں میں بھیجا جہاں پر کیچڑ ہے، بدبو ہے، دلخراش مناظر ہیں، کہ ان جگہوں پر سڑے گلے ممالک تک کے ادنی ذمہ داران جانے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں پر آپا امینہ اس طرح اسلامی جذبے سے گئیں کہ دنیا دیکھتی رہ گئی، ایک سراپا شفقت ومحبت ماں بن کر گئیں اور یہ کوئی پہلا اور نرالا واقعہ نہیں ہے ہم بارہا اور متعدد جگہوں پر یہ مناظر دیکھ چکے ہیں۔مگر ہائے رے حاقدوں اور حاسدوں کی کم ظرفی اور ستم ظریفی، بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کہ وہی چیز جو قابل تعریف تھی مطعون بن گئی، جو بات سرمایہ افتخار تھی وجہ اہانت و تذلیل بن گئی اور اردوگان کو زہر بھرے انداز میں امیر المومنین اور آپا امینہ کو ان کی بیگم کہا گیا۔پتہ نہیں کیوں ان بے شرموں کو تکلیف ہے؟ یہ تو امت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انہیں تکلیف ہے کہ سب محو خواب ہیں تو ترکی کا مرد آہن جاگ کیوں رہا ہے؟ یہ مردوں میں زندہ کہاں سے نمودار ہو گیا؟۔آخر اردوگان اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے کب کسی دوسرے قائد یا سربراہ مملکت کا راستہ روکا ہے۔یہ تنافس کا میدان تو کھلا ہوا ہے اپنے اپنے محبوب قائدین کو آواز دیجئے کہ آئیں اور امیر المومنین کا خطاب جیتیں۔ہماری بھی آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں کہ کوئی اور مرد مومن بھی قدم

بڑھائے ہم چشم براہ ہیں ہم انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے اپنے سروں پر بٹھائیں گے کوئی آئے تو سہی۔اے اللہ تو رجب طیب اردگان کی حفاظت فرما ان کی بیوی بچوں کو صحت وعافیت عطا فرما اور امت کی جو خدمات یہ خاندان آفتاب و ماہتاب انجام دے رہا ہے اسے قبول فرما اور پوری امت کی طرف سے انہیں بھرپور اجر عطا فرما آمین۔شکیل احمد اعظمی''۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عالم اسلام میں سے ترکی ہی ہے جو اسلامیت اور اسلامی شناخت حاصل کرنے کی طرف کشاں کشاں رواں دواں ہیں، باقی تو سب بالخصوص سعودیہ وامارات سیکولرزم یعنی لادینیت کو قبول کرنے اور فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں، اسلامیت اور مغربیت کی یہ کشمکش اس وقت شباب پر ہے، فریق اول مغرب اور مغرب نواز لوگوں کے نشانے پر ہے، جبکہ فریق ثانی مغرب کی رضامندی کے فریب میں مبتلا ہے، اور بظاہر شیطان اپنے چیلوں سے راضی بھی ہے، اسلامیت اور شیطنیت کی یہ کشمکش بہت پرانی ہے، چراغ مصطفوی کے وجود سے ہی کفر وشرک کے سینوں میں بھٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے ہے شرار بولہبی

لیکن بالآخر عزت ونصرت اور فتح وکامرانی ان ہی کے لیے مقدر ہے جو اسلام کی بالادستی کے خواہاں ہیں، اس کے کے لیے جیتے ہیں، اسی کے لیے مرنے کا عزم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورہ صف:۸-۹) (ترجمہ: یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منھ سے اللہ کی روشنی کو بجھادیں اور اللہ تو اپنی روشنی کو پوری کر کے ہی رہے گا، چاہے کافروں کو ناگوار گزرے، وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کردے اگر چہ شرک کرنے والوں کو برا لگے)۔اور فرمایا ہے: يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ منافقون:۸) (ترجمہ: وہ کہتے ہیں اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے

کو نکال باہر کر دے گا، حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو حاصل ہے، لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں)۔

روہنگیوں کے ساتھ ظلم کی ایک وجہ تو وہ ہے کہ ان کو وہ بنگالی سمجھ کر وہاں رہنے نہیں دینا چاہتے، دوسرا الزام ان پر یہ لگاتے ہیں کہ انھوں نے مسلح جدوجہد کی ہے اور مسلح تحریک چھیڑی ہے، دنیا کی تاریخ میں جب کبھی ظلم کا گھناؤنا کھیل کھیلا گیا تو تاریخ کی شہادت ہے کہ کچھ جیالوں نے مقابلے کے لیے ضرور کمر کس لی اور یہ ٹھان لیا کہ مرنا ہے تو لڑ کر مریں گے، روہنگیا مسلمانوں میں بھی بعض حوصلہ مند لوگ ظلم کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوگئے، ان کی تحریک کا نام (ARSA) ہے، یعنی Arakan Rohingya Salvation Army، ۱۹۴۸ سے اب تک روہنگیا پر وقتاً فوقتاً جو مظالم ڈھائے گئے ان پر کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوئی، ۲۰۱۲ء کی پرتشدد کارروائیوں اور دل دہلانے والی وارداتوں نے بھی کسی کو نہ تڑپایا، مگر ہائے رے مہذب دنیا کی بے رحمی کہ اس مزاحمتی تنظیم کی دفاعی اور برائے نام کارروائیوں کو دہشت گردی کا نام دے دیا، ۲۵ اگست کو پیش آنے والی ان کی ایک کارروائی کو قتل عام اور بہیمانہ انداز سے نسل کشی کے لیے وجہ جواز بنا کر پیش کیا گیا، **آج کی دنیا میں ظالم کو ظلم کرنے کی کھلی آزادی ہے مگر مظلوم کے لیے تڑپنے کی گنجائش بھی نہیں، ظالم مغربی دنیا نے آج تک دہشت گردی کے اسباب جاننے کی کوشش نہیں کی، اور کیوں کرتی؟ کہ وہ تو خود دہشت گرد اور دہشت گردوں کی سرپرست ہے، اس کی دہشت گردی امن وسلامتی کے قیام کے نام پر جاری ہے، البتہ بنیادی حقوقِ شہریت محروم، فقر وفاقے کے مارے، اور انواع واقسام کے مظالم سہنے والے اگر کہیں اپنے دفاع میں اتر آئیں یا ظلم کے آگے سینہ سپر ہو جائیں تو ان کو دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے۔**

طُرفہ یہ ہے کہ تشدد زدہ ان علاقوں میں صحافیوں کو جانے کی اجازت نہیں، خیر سے اگر کسی کو اجازت دی جاتی ہے تو اسے ایسی پُرفریب تصویریں دکھائی جاتی ہیں اور جھوٹے لوگوں سے ملایا جاتا ہے کہ اگر واقعی حقیقت حال جاننے کا جذبہ نہ ہو تو آدمی روہنگیوں کو ظالم سمجھ کر واپس ہو جائے، آپ کو اس کی مثال سوشل میڈیا پر روہنگیا مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذریعہ اپ لوڈ کی گئی تصویروں سے مل جائے گی، ہمارے ملک کی حکمراں جماعت سے متعلق افراد ہندستان میں پناہ گزیں روہنگیوں کو واپس بھیجنا چاہتے ہیں اور یہی منشا حکومت کی ہے، اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا تو بھکتوں نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے یہ مہم بھی چھیڑ دی کہ وہ جعلی تصویریں

اور ویڈیوز کے ذریعہ روہنگیوں کو دھشت گرد بتانے لگے اور انتہا پسند بودھ تنظیم Association for the protection of the race and religion کے بھیڑیوں اور چیتوں کو مظلوم بتانے لگے، ان کی بہیمانہ کارروائیوں کا فاعل مظلوم روہنگیوں کو قرار دے دیا، بہر حال ہمارے ملک کے پاس یہ عذر ہے کہ اس نے اقوام متحدہ کے رفیوجی ایکٹ ۱۹۵۱ پر دستخط نہیں کیا ہے، مگر صرف اس کے سبب وہ ان مظلوموں کو پناہ دینے سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، بھلا ہو پرشانت بھوشن کا جو ہمیشہ حق وانصاف کی لڑائی پوری قوت سے لڑتے رہے ہیں، دو روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے انھوں نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا ہے جس پر سماعت بھی ہو رہی ہے، ایسے ہی ایک مقدمہ میں سپریم کورٹ کے ایک مثبت فیصلے کی نظیر بھی موجود ہے، بہر حال دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ روہنگیا مسلم اپنی ہر چیز پر ۷۸۶ لکھتے تھے، (جس کا لکھنا بہر حال جہالت ہے) بدھوں نے اس کو جوڑ کر اس کا مطلب ۲۱ نکالا اور پھر ''اسلاموفوبیا'' یعنی غلبۂ اسلام کے خوف نے انھیں آشن وراتھو کی زبانی یہ سمجھایا کہ ۲۰۲۱ میں اس ریاست پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا، جو محض افسانوی خیال تھا، اس کے مقابلے میں انھوں نے ۹۹۶ کا عدد استعمال کرنا شروع کیا جس کو بدھ مت میں خاص اہمیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قانونی بندشیں شروع ہوئیں، فوجی کارروائیاں ہوئیں اور اب تو فوج، پولیس، حکومتی مشنری اور سول سوسائٹی یعنی سب کی جانب سے مجموعی طور پر ان بے چاروں کو تہہ تیغ کرنے کی مہم جاری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس پر تشدد کارروائی کے پیچھے ملکی اور بین الاقوامی دونوں طرح کی سیاست کارفرما ہے، رخائن اور بنگال کی کھاڑی کا یہ علاقہ قدرتی گیسوں Natural Gases سے مالا مال ہے، امریکہ نے انوسٹ کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ اس علاقے کو مکمل طور پر خالی کرا کر دیا جائے تب وہ سرمایہ کاری (Investment) کرے گا، اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اس کے حلیف چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے بھی برما کو اپنا اڈہ بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ چین کو وہاں سے مکمل طور پر لاتعلق کر دینا چاہتے ہیں، **امریکہ اور اس کی حلیف طاقتوں نے یہ پالیسی Strategy بھی بنا رکھی ہے کہ ظلم وتشدد کے ذریعہ ملکوں کو تاراج کیا جائے اور لوگوں کی ہجرت بالخصوص ان ممالک کی طرف کرائی جائے جن کو کچھ نہ کچھ معاشی استحکام حاصل ہو، تاکہ ان کی معاشی حالت کمزور ہوتی جائے اور ان کی کمر توڑ دی جائے، ظاہر ہے ترقی یافتہ ملک کی ایک بنیادی علامت اس کا معاشی استحکام اور اس کی مضبوط معیشت ہے، ترکی نے معاشی استحکام کی دوڑ میں بہت لمبی**

جست لگائی تھی، لیکن شام کے المیہ کے بعد اس کی معیشت پر کیا اثر پڑا ہے آپ اعداد و شمار سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں، آن ریکارڈ ترکی تین لاکھ شامی مہاجرین کی میزبانی کر رہا ہے اور اب بنگلہ دیش میں موجود برمی مہاجرین کا بھی کفیل بن گیا ہے، فسلطینیوں کے تئیں اس کی حمایت و ہمدردی پہلے سے جاری ہے، ملکی سطح کی سیاست اس واقعہ پر یوں ہو رہی ہے کہ آنگ سانگ سوچی کو مسلمانوں کی حمایت حاصل رہی تھی، وہاں کے دیگر عوام کی طرح مسلمانوں نے بھی اس سے امید لگائی تھی اور فوج کے مقابلے جمہوریت کی امید میں مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اس کو ووٹ دیا تھا جبکہ روہنگیا تو پہلے سے ہی ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیے گئے تھے، اس المیہ کے ذریعہ ان مسلمانوں کی کمر توڑ دی گئی، ان کو کسی حمایت کے قابل ہی نہیں چھوڑا گیا، سوچی کو ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا گیا کہ وہ ایک بیان دینے کے قابل نہ رہی، وہ بولے یا خاموش رہے بہرصورت یہ پیغام گیا کہ اس کے مقابلے فوج بہتر تھی، اس طرح تشدد کے ذریعہ کئی مقاصد پورے کیے جا رہے ہیں، ہمارا مضحکہ خیز حال یہ ہے کہ جو خون چوس رہے ہیں جو ظلم کے رسیا بن چکے ہیں ہم ان ہی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے ہیں اور ان ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک سوال ہے، جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روہنگیا قضیہ قدیم ہے، یہ کوئی ابھی سال دو سال کی پیداوار نہیں تو پھر اس کو عالم اسلام نے حل کیوں نہیں کیا، جواب میں لوگ عالمی قانون کا حوالہ دیں گے، کہ ہر ریاست خود مختار ہوتی ہے، کسی کی داخلی خود مختاری میں کسی کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھتے آئے ہیں کہ یہ قانون کمزوروں کے لیے ہے، طاقتور تو جب جہاں چاہتے ہیں وہاں مداخلت کرتے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم جب بات کرتے ہیں تو ہم پر سیکولرزم کا بھوت سوار ہوتا ہے، جبکہ اغیار مذہبی جنون کے ہتھیار سے ہمہ وقت اور ہر آن سیکولرزم کا خون کرتے ہیں، ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ عالمی قانون ہو یا اقوام متحدہ دونوں ہی ویٹو پاور رکھنے والوں کی داشتہ ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں، مسلم ممالک میں جاری کشت و خون نے یہ قضیہ صاف کر دیا ہے کہ یہود و نصاری اسلام کو مغلوب کرنے کے لئے چوطرفہ ہلہ بول چکے ہیں، صورت حال وہ نظر آ رہی ہے جس کی پیشن گوئی حدیث شریف میں یوں کی گئی ہے: "

عن ثوبان مولی رسول اللهؐ قال،قال رسول الله ﷺ: "يوشك أن تداعىٰ عليكم الأمم من كل افق كما تداعى الأكلة على قصعتها" قال: قلنا: يا رسول الله أمن

قلة بنا يومئذ؟ قال: "أنتم يومئذ كثير، ولكن تكونون غثاءً كغثاء السيل تنتزع المهابة من قلوب عدوكم، ويجعل فى قلوبكم الوهن، قال: قلنا: وما الوهن؟ قال: "حب الدنيا، وكراهية الموت"(رواہ احمد ۳۷/۷ ۲۲۳۹۷)

''حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ چہار جانب سے قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جس طرح کھانے والے پیالہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں، روای کہتے ہیں ہم نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: تعداد تو بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگی، دشمن کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا، اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا، راوی کہتے ہیں، ہم نے کہا: وھن کیا ہے، آپؐ نے فرمایا: دنیا کی چاہت اور موت سے نفرت''۔

جس عالمی قانون کا حوالہ دیا جاتا ہے اور جس اقوام متحدہ کو سہارا سمجھا جاتا ہے اس قانون کے وضع کرنے والے اور اس کے ٹھیکدار کے مذہب میں ہمیشہ قانون کے دو پیمانے رہے ہیں، وہ امیر وطاقتور اور غریب وکمزور کے لئے ہمیشہ الگ الگ قانون نافذ کرتے رہے ہیں، بلکہ ان کی مقدس کتابوں میں تحریف کی یہ بھی ایک شکل رہی ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت کی یہ ''مہذب'' دنیا صرف طاقتوروں کی سنتی ہے، بلکہ ماضی میں بھی یہ لوگ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتے رہے ہیں، جب عالم اسلام طاقتور ہوگا تو عالمی قانون بھی اس کا حمایتی ہوگا اور اقوام متحدہ بھی اس کی چوکیداری کرے گی، جو طاقتور ہوتا ہے دنیا اس کو سجدہ کرتی ہے، جو ایجادات کا امام ہوتا ہے دنیا اس کی غلامی کرتی ہے۔

بدقسمتی سے خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے والوں میں جو لوگ پیش پیش رہے اور جن کا مرکزی کردار رہا ان ہی کو عرصہ سے ملت اسلامیہ کا مرکزی قائد تصور کیا گیا، مگر ان کو کبھی نہ اعداد قوت کی فکر ہوئی اور نہ صنعتی انقلاب میں قائدانہ کردار کی سوجھی، وہ تو کھانے کی میز سے پاخانے کی کرسی تک استعمال ہونے والی تمام اشیاء کے امریکی، برطانوی اور جاپانی ہونے پر ہی باہم فخر ومباہات میں مبتلا ہوگئے، امت کے ذہین افراد صورت حال کو بھانپ گئے تھے، بالخصوص جنھیں فراست ایمانی ملی تھی انھوں نے بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا، دیکھنا ہو تو دیکھیے کس طرح حضرت مولانا علی میاںؒ نے ماذا خسر العالم میں صنعت ومعیشت اور اعداد وقوت کی طرف متوجہ کیا ہے، مگر اب تو وہ بھی زد پر ہیں اور ان کا

لٹریچر بھی، یہ کام تنہا مولانا نے ہی نہیں انجام دیا بلکہ اس کی طرف توجہ دلانے والے مفکرین میں امام حسن البنا، سید قطب، ڈاکٹر سعید رمضان، محمد الغزالی اور مولانا مودودی وغیرھم شامل ہیں، ملت کے ان قائدین یعنی عرب حکمرانوں نے پورے طور پر یہود ونصاریٰ کا غلبہ قبول کرلیا، یہ ان ہی کو اپنے لیے نجات دہندہ سمجھنے لگے جن کے متعلق قرآن کے صریح ارشادات موجود ہیں کہ نہ ان سے دل لگایا جا سکتا ہے، اور نہ انھیں اپنے راز دیے جاسکتے ہیں، نہ انھیں اپنا یار و مددگار بنایا جاسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا** (سورہ نساء:۸۹) (ترجمہ: لہٰذا تم ان میں سے کسی کو نہ تو دوست بناؤ اور نہ ہی مددگار)۔ **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ** (سورہ مائدہ:۵۱) (ترجمہ: اے ایمان والو ان یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ)۔ **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ** (سورہ مائدہ:۵۷) (ترجمہ: اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے، یعنی تم سے پہلے کے اہل کتاب اور ایمان نہ لانے والے، ان کو دوست نہ بناؤ)۔

ایک موقع پر رسول کریم ﷺ سے انصار صحابہ نے مشرکین کے خلاف یہود سے مدد لینے کی اجازت طلب کی تو رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا یہ خبیث لوگ ہیں ان کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، تفسیر مظہری میں یہ الفاظ ہیں ''الخبیث لا حاجۃ لنا بھم'' (ج۲ص۳۹۵، زکریا بکڈپو، دیوبند) جبکہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ و ذكر الزهري أن الانصار استاذنوا حينئذ رسول اللهؐ في الاستعانة بحلفائهم من يهود المدينة فقال "لا حاجة لنا بهم (البداية والنهاية ج۳ ص ۱۱۲ المكتبة التوفيقية، مصر) اب تو حالت بایں جا رسید کہ ایک ترکی جس نے رفتہ رفتہ بڑی حکمت سے صنعتی دھارے میں اپنی حیثیت تسلیم کرائی، اپنی معیشت کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا، حصولِ طاقت کو اپنا ہدف بنایا، اس لائق ہوا کہ اقوام متحدہ کی بے انصافیوں پر علمِ احتجاج بلند کر سکے، تو مغرب کے یہ گماشتے مغرب و امریکہ کے اشارے پر اس کی جان کے دشمن بن گئے، اس کی جڑیں کھودنے لگے، اماراتی سفیر کے ای میل سے جس گھناؤنی سازش کا پردہ فاش ہوا اس کے سبب ان جبہ پوشوں سے گھن آنے لگی، عرصہ سے عالم اسلام اسی انتشار اور حکمرانوں کے نشۂ اقتدار کی بدمستی کے سبب آپسی رسہ کشی کا شکار ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔

کاش عالم اسلام طاقتور ہوتا تو برمی حکومت کی کیا مجال تھی کہ وہ ظلم و بربریت کے اس ننگے ناچ کو بند نہ کرتی۔ پاکستان کے ایک ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' نے ستمبر ۷ا ء کے شمارے میں سید شہاب الدین شاہ کا ایک مضمون ''روہنگیا مسلمان مظلومیت کے تناظر میں'' شائع کیا ہے، مضمون نگار نے جنرل ایوب کا ایک بیان نقل کیا ہے، جس سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی ہے، اس بیان کی صحت وسند پر بحث سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اور آج کے حالات میں بہت فرق ہے، مگر کیا یہ سچ نہیں کہ ''مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی، اور کیا اسلام نے رعب و دبدبہ کی تیاری کا حکم نہیں دیا، مضمون نگار لکھتا ہے:

> ''پاکستانی صدر جنرل محمد ایوب خان کے دور میں جب برمی حکومت نے اراکانی مسلمانوں کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کر دیا تو پاکستانی صدر نے یہ بیان جاری کیا کہ ''کیا برمی حکومت یہ پسند کرے گی کہ پاکستانی فوج صبح ڈھاکہ سے روانہ ہو اور شام تک رنگون (برما کا دارالحکومت) پہنچ جائے''، اس بیان کی وجہ سے جب تک ایوب خاں صدارت پر رہے تب تک اراکانی مسلمان برما کے مظالم سے محفوظ رہے اسی لیے آج بھی اراکانی مسلمان جنرل محمد ایوب خان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ستمبر ۲۰۱۷، جلد ۲۸، شمارہ ۹)۔

مگر آج تو ہم بس اسی تمنا پر اکتفا کرتے ہیں کہ کاش مسلم ممالک ترکی کی جرأت گفتار پر اس کے حامی ہی ہوجاتے تو بھی صورت حال کچھ اور ہوتی، لیکن جہاں ظلم کے ڈرامے میں مغربی آقاؤں کا کردار ہو وہاں عرب غلام کیوں کر لبوں کو جنبش دیں گے، جنھوں نے قطر پر دہشت گردی کا الزام دھر کے اس کا بائیکاٹ کیا ان کی یہ حالت ہے کہ برما میں دہشت گردی انتہا کو پہنچ گئی اور احتجاج تک نہ درج کرا سکے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ترکی کے اقدامات کو سعودی حمایتی اور پروپیگنڈہ ماسٹر شاہ صاحب کی طرف پوری بے شرمی سے منسوب کرنے لگے، یہاں تک جھوٹ بولا۔ ظاہر ہے جھوٹ کے پر تو ہوتے نہیں، جتنی چاہیں بے پرکی اڑائیں۔ کہ سعودیہ نے دس لاکھ برمیوں کو شہریت دے دی، واقعہ ہے کہ سعودیہ میں برمی مسلمان موجود ہیں مگر وہ چالیس پچاس سال پہلے سے ہیں، سعودیہ میں اب کسی کو شہریت نہیں ملتی، شاہ فیصل کے ساتھ حصولِ شہریت بھی تقریبا ختم ہوگئی، اب خال خال کسی کو سعودی حکومت شہریت دیتی ہے، یہ سختی شاہ فہد کے دور سے ہی شروع

ہو گئی تھی، ایسا ہی جھوٹ محاصرۂ اقصی کے خاتمہ پر جب فلسطینی جیالے فتح کا جشن منا رہے تھے تو بھی بولا گیا تھا کہ شاہ صاحب کی مداخلت اور بات چیت سے مسئلہ حل ہوا ہے، اب تو شاہ صاحب کو ان قضایا سے کوئی مطلب ہی نہیں کہ وہ تو خادم الحرمین ہیں اور دین بھی حرمین تک محدود ہے، یہ سارے مسائل نہ حرمین سے متعلق ہیں اور نہ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے دین سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سب ''رئیس الدولۃ'' کے دائرہ اختیار کے امور ہیں، ''رئیس الدولہ کا لقب دیا گیا ہے ولی عہد محمد بن سلمان کو جو بہت برق رفتاری سے سعودیہ کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر رہے ہیں اور یہود ونصاریٰ کے تمام پروجیکٹس کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں، جو سلطان کے مدح سرا ہیں سلطانی قہر وجبروت سے خائف ہیں وہ سعودیہ کی لادینی حیثیت سے راضی ہیں، اور جن سے طاغوتی طاقتوں کو امید ہے کہ وہ سپر نہ ڈالیں گے ان کو پابند سلاسل کیا جا رہا ہے۔

ہم نے ایک روز جبکہ پورا سوشل میڈیا برمی مسلمانوں کے مظلومین کے لیے سراپا احتجاج بنا ہوا تھا یہ لکھا تھا:

> ''برما میں ہونے والی نسل کشی سے زیادہ خطرناک سعودیہ وامارات میں ہونے والی اسلام کشی ہے، علمائے حق کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے، شیخ سلمان العودہ اور عوض القرنی سمیت سینکڑوں علماء گرفتار کیے جا چکے ہیں، اب تک قید وبند میں جانے والے علماء کی تعداد ۸۰ ہزار تک پہنچ چکی ہے، یہ فکر اسلامی اور زندہ ضمیری کو قتل کرنے کی گھناؤنی سازش ہے''

ظاہر ہے میں نے جو کچھ لکھا تھا بہت سوچ سمجھ کر لکھا تھا، سعودیہ اب جو کچھ کھل کے کر رہا ہے پہلے ذرا خفیہ طریقے سے کرتا آیا ہے، مصر وشام میں اسی کے کردار سے اہل اسلام نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ ان مظالم کا شکار ہوئے جنھیں دیکھ کر چنگیز وہلاکو کانپ جاتے۔ اس سے پہلے عراق میں جو کھیل کھیلا گیا وہ کس سے ڈھکا چھپا ہے، ملت کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی کس طرح امریکیوں نے اور شیعہ ملیشیاؤں نے عصمت دری کی ہے کیسے بتائیں ہم، لاکھوں اہل سنت عراق میں مارے گئے اور صدام کے مرتے ہی شیعہ طاقتیں بے لگام ہو گئیں، جاننے والے سقوط بغداد میں بھی سعودیہ کے گھناؤنے کردار سے واقف ہیں۔ شامی مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹا ہے وہ یقیناً قیامت سے کم نہیں، اہل برما مظلوم ہیں اور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں مگر حجاز سے دین اسلام کو دیس نکالا دیا جا رہا ہے، علماء وعالمات اور فکر اسلامی

کے حاملین کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، جب ایمان ہی داؤ پر لگ جائے تو جان کی کیا قیمت؟ **برما میں یقیناً اسلام دشمنی قتل عام کا سبب ہے، لیکن قاتل وہ ہے جس سے کوئی شکوہ ہی نہیں، وہاں تو اسلام کے قاتل، اقدار پر ڈاکہ ڈالنے والے، معصوموں، روزہ داروں نمازیوں اور ڈاڑھی رکھنے والوں کے قاتل غلاف کعبہ میں لپٹے ہوئے ہیں، ان ہی کی عیاشیوں کی ضمانت کے وعدے پر جزیرۃ العرب تاراج ہو رہا ہے، اور تہذیب اسلامی کا صفایا کر کے تمدنِ یہود و نصاریٰ کی جلوہ نمائی ہو رہی ہے۔**

مسلم ممالک کی جابرانہ سیاست اور مستبدانہ پالیسیوں کے سامنے وہاں کے علماء اور دانشوران مجبور ہو چکے ہیں، اب تو صورت حال یہ ہے کہ خاموشی پر بھی سزا دی جاری ہے، مشہور ترین داعی و عالم دین شیخ سلمان العودہ سمیت ۲۰ علماء کو محض اس لیے گرفتار کیا گیا کہ انھوں نے قطر کے تئیں حکومت کے موقف کی تائید نہیں کی بلکہ انھوں نے اتحاد بین المسلمین کی دعا کی، خلیجی اخبارات نے ان مخلص علماء کو دہشت گرد لکھا اور وہاں کا میڈیا عرصہ سے دین پسندوں اور دینداروں کو ''ارہابی'' لکھ رہا ہے، وہاں کی صورت حال اب یہ ہے کہ لب کھلیں تو آقا کی مدح سرائی میں ورنہ خاموشی بھی جرم ہے، گرشتہ سال پروفیسر محسن عثمانی صاحب نے بڑے کرب کے ساتھ ایک مضمون لکھا تھا ''وہ بات خطبۂ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا''، معلوم نہیں اس مرتبہ انھوں نے خطبہ سنا کہ نہیں، **خطبۂ عرفات میں امام صاحب نے ارشاد فرمایا تقربوا الله بالدعاء لحكام آل سعود، حکام سعودیہ کے لیے دعا کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو، میدان عرفات میں جمع مسلمانوں کے اتنے بڑے اجتماع کو یہ پیغام دیا گیا، خدا بھلا کرے ان مخلصین کا جواب بھی سود و زیاں سے بے خبر کلمۂ حق بلند کر رہے۔**

برما کی صورت حال وہ تھی جس پر مسلم حکمرانوں سے قرآن کا یہ خطاب سو فیصد منطبق ہوتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا (سورہ نساء: ۷۵) مگر یہ بے چارے یہ کام نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مجبور و لاچار، بے بس اور بے سر و ساماں ہیں، ان کو جو ہتھیار دیے جاتے ہیں وہ اس شرط پر کہ ان سے اپنے ہی بھائیوں کا خون بہایا جائے، افسوس تو اس پر ہے کہ عرب کے پٹھو نہ خود کچھ کرنے پر تیار ہیں اور نہ کرنے والوں کی پشت پناہی پر آمادہ، نفاق کی ساری حدیں انھوں نے پار کر لی ہیں، وہ اس وقت تک قرآن کی مطلوب اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے، جب تک آزاد قلم اور آزاد

زبانیں موقع کو غنیمت جان کر ان کا احتساب نہیں کریں گی اور ان کو صحیح راہ نہیں دکھائیں گی، تب تک ہر سال ایک نیا خونی کھیل کھیلا جاتا رہے گا، اس کا اسٹیج خواہ برما ہو یا شام یا عراق یا کوئی اور مسلم آبادی والا ملک، امداد کی اپیلوں احتجاجی مظاہروں اور دعاؤں سے کائنات کا نظام نہیں چلتا، کائنات کا نظام کچھ اور ہے جس کی بابت ارشاد ہے ولن تجد لسنة الله تبديلا اور ولن تجد لسنة الله تحويلا، جس کی عملی مثال نبی اکرمؐ کی سیرت میں موجود ہے، اگر دعاؤں پر دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ چلاتے تو پھر دعا بنی کریمؐ مدینہ میں بیٹھ کر مانگتے، میدان جنگ میں جا کر نہ مانگتے، آج آنسوؤں کا سیلاب ہے، خون کی ندیاں ہیں، حرمین شریفین کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں دعائیں کی جاتی ہیں، لیکن بقول مولانا آزاد:

> ''دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں مگر ان ہی کو جو عزم و ہمت رکھتے ہیں، وسائل بہم پہنچاتے ہیں، اور ان کا بہترین استعمال کرتے ہیں، بے ہمتوں کے لیے دعا ترکِ عمل اور تعطلِ قویٰ کا حیلہ ہوتی ہے''۔

اقبال نے کہا تھا ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس وقت برمی مسلمانوں اور ایسے تمام مظلوموں کے لیے جو بن پڑے وہ کرنا چاہیے، اچھی بات ہے کہ لوگ بیدار ہوئے، بڑے پیمانے پر مظاہرے ہو رہے ہیں، امدادی ٹیمیں بھی اپنے کام پر لگ گئی ہیں، **سرِ دست ہمیں بھی اپنے ملک میں اپنے نزدیک موجود روہنگیا پناہ گزینوں کے رہنے اور کھانے کے انتظامات میں حصہ دینا چاہیے۔** پاکستان کے بیرسٹر اقبال جعفری آنگ سانگ سوچی اور آشن وراتھو پر عالمی عدالت انصاف میں فوجداری کا مقدمہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، لیکن یہ سب جزءوقتی حل ہیں، اگر ایسے ہی لوگ ہجرتیں کرتے رہے، اور ایسے ہی کبھی کوئی کبھی کوئی علاقہ خالی کرایا جاتا رہا تو اس سے مسائل بڑھیں گے، مسائل کا خاتمہ نہ ہوگا، **اس کے دائمی حل کے لیے ضروری ہے کہ عالمی پیمانے پر علماء ودانشوران اپنے مفادات سے بالا ہو کر عالم اسلام کے ضمیر کو بیدار کرنے، اسے جھنجھوڑنے کا فریضہ انجام دیں،** اگر اب بھی یہ کام نہ کیا گیا تو جو جو ہم لکھتے اور دیکھتے آئے ہیں، رفتہ رفتہ ان حالات کا مشاہدہ دنیا کر رہی ہے، تیسری جنگ عظیم کے متعلق بہت پہلے سے دنیا بھر کے

اسکالرز پیشین گوئیاں کر رہے ہیں، بلکہ موجودہ وقت میں اگر متعدد تحریروں پر اعتماد کیا جائے تو پنٹا گن میں جنگ عظیم کے بعد پیدا ہونے والے انسانی بحران Human crisis پر قابو پانے سے متعلق بحثیں ہو رہی ہیں، مگر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ پہلی دونوں جنگ عظیم یورپ کی سرزمین پر ان ہی کے مابین لڑی گئیں، اگرچہ اس میں مسلمانوں کا شدید ترین نقصان ہوا اور مسلمانوں کی طاقت بکھیر کر رکھ دی گئی، چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں تقسیم کر کے عالم اسلام کو بے حیثیت کر دیا گیا اور مزید تقسیم کے لیے امریکہ بہادر شطرنج کی چالیں چل رہا ہے، آج کل ''کرد ریاست'' کی تشکیل سے متعلق خبریں گرم ہیں، لیکن یہ تیسری جنگ مشرق وسطیٰ Middle east میں مسلمانوں کے درمیان لڑی جائے گی، سعودی عرب کا رویہ، امریکہ کی بے لگام تانا شاہی، ترکی، ایران، روس اور قطر کا بظاہر بنتا ہوا محاذ کسی خطرناک نتیجہ پر ہی منتج ہوگا، ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر سعودی و اماراتی بے راہ روی ختم نہ ہوئی اور ان کی سیاست اسرائیل سے ہی کنٹرول ہوتی رہی، اور موجودہ خلیجی بحران پر قابو نہ پایا گیا، اور قابو نہ پانے کی صورت میں ترکی، قطر اور ایران و روس کا محاذ بن گیا تو پھر جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا، اللہ عالم اسلام کی ہر شر سے حفاظت فرمائے اور حالات کا رخ بدلنے والے افراد کے ہاتھ مضبوط کر دے وھو الموفق والمستعان،

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۲۷ کا

اس کے یہ معنی نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔ شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے، تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری فروری کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہا نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ہاں ! اس میں شبہ نہیں ہے کہ سنت انبیا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین میں قمری حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجب برکت و ثواب ہے اور شمسی حساب سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆

بلند اخلاق، علامتِ ایمان

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب
نائب مدیر ''السیرۃ'' عالمی، ششماہی، کراچی

ایمان کسی بھی مسلمان سے اسلام کا پہلا مطالبہ ہے، پھر ایمان کی شاخیں گنوائی جا سکتی ہیں، ایمان میں کمی یا زیادتی کی بحث کی جا سکتی ہے، ایمان کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں فلسفیانہ، متکلمانہ، صوفیانہ اور فقہی اسلوب میں گفتگو ہو سکتی ہے۔ لیکن ایمان کا اگر مختصر مفہوم بیان کیا جائے تو صرف اسی قدر کافی ہے کہ اللہ کو اور اس کے احکامات کو دل اور زبان کے ذریعے قبول کرنا۔ پھر ایمان کے جیسے مدارج ہیں، صفات ہیں، شرائط ہیں اور مقتضیات ہیں، جن کا پورا کرنا ہر اس شخص پر لازم ہے جو ایمان لانے کا دعوے دار ہے، اسی طرح اس کی کچھ علامات بھی ہیں اور ان علامات میں سے ایک حسنِ خلق ہے، جس کا بیان اس سطور میں مطلوب ہے۔

حسن خلق ایک نیکی ہے، ایسی نیکی جس کا دوسرا سرا ایمان کی تکمیل سے جڑا ہوا ہے۔ رسولِ خدا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

> البر حسن الخلق، والاثم ما حاک فی صدرک، وکرھتَ أن یطلع علیه الناس
> (مسلم/ ج۴، ص۱۶۶۔ رقم ۲۵۵۳)
> نیکی (بھلائی) حسنِ خلق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ بات بری محسوس ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔

یعنی حسنِ خلق خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو، نیکی ہے، اور ظاہر ہے کہ بداخلاقی اس کے مقابلے میں ایک تسلیم شدہ برائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حسنِ خلق کو بھلائی اور نیکی کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح دوسری روایت میں فرمایا:

> المومن غر کریم والفاجر خب لئیم (۲۔ ترمذی/ ج۳، ص۳۸۸۔ رقم ۱۹۷۱)
> مومن سادہ اور سخی جبکہ فاجر فریب دینے والا اور بخیل ہوتا ہے۔

دونوں مقامات پر درس یہی دیا جا رہا ہے کہ ہر طرح کی اخلاقی کمزوری ایمان کے اور اس کے لوازم و مقتضیات کے منافی ہے اور ہر طبعی خوبی وفطری نیکی ایمان کی علامت ہے۔اس لئے اخلاقی کمزوریوں کا دور کرنا جس طرح ہمارے لئے معاشرتی تقاضوں کو نبھانے کے لئے ضروری ہے، وہیں اپنے ایمان کو بچانے ،محفوظ کرنے اور اس کی تکمیل وتزئین کی خاطر بھی ضروری ہے۔

درحقیقت ایمان ایک ایسی قوت ہے جو صفاتِ مذمومہ اور اخلاقِ رذیلہ سے انسان کی حفاظت کرتی ،اس کے اندر پاکیزہ صفات اور اخلاق حسنہ کو پروان چڑھاتی اور ان کی جانب اس کو راغب کرتی ہے۔اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے بندوں کو کسی بھلائی کی طرف بلایا، یا انہیں کسی برائی کے خلاف ابھارا اور اس کی شناعت کو ان کے سامنے واضح کیا تو ان کے ایمان کو ضرور اس مقصد کے لئے واسطہ بنایا، اللہ سے ڈرنے ،تقویٰ اختیار کرنے اور صداقت شعارت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

یہاں جن عظیم مقاصد کی جانب لوگوں کو توجہ دلانا مقصود ہے، ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے پہلے فرمایا یاایھاالذین اٰمنو ۔اے ایمان والو! گویا ایمان کے بعد تمہارے لئے یہ بھی لازم ہے کہ ان صفات حسنہ کو اختیار کرو، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ اگر ایمان مستحکم اور طاقت ور ہوگا تو اس سے نہایت مضبوط اور پائیدار اخلاق جنم لے گا، اور اگر اخلاق میں کمزوری ہے وہ روبہ زوال ہے، یا اس میں مومنانہ پختگی کا فقدان ہے تو یہ بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان بھی طاقتور نہیں ہے، اس میں بھی کمزوری اور کمی موجود ہے، جو اس کے اخلاقی پہلو کو متاثر کر رہی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

حیا اور ایمان دونوں جڑواں بھائی ہیں، جس نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا، اس نے دوسروں کو بھی کھودیا (مستدرک حاکم)

گویا کہ ایمان اور اخلاق (جس کی ایک شاخ حیا کا حدیث میں ذکر فرمایا گیا) دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، نہ اخلاق کی تکمیل ایمان کے بغیر ممکن ہے، نہ ایمان اخلاق حسنہ کے بغیر مکمل قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایسا اخلاق پاکیزہ کردار، جو زندگی کے ہر شعبے میں نظر آئے، اسلام کی نظر میں اور تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی رو سے ایسی دولت ہے، جس کا بدل دوسری کوئی نیکی نہیں، اور جو کوئی اس سے محروم ہے، وہ نیکیوں کے انبار اور دولت کے خزانے رکھنے کے باوجود بھی حد درجہ مفلس ہے، ایسا مفلس جس کی مفلسی کو دور کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفسار کیا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جو درہم ودینار نہ رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان المفلس من امتي ياتي يوم القيامة بصلاة وصيام و زكاة، وياتي قد شتم هذا، و قذف هذا، واكل مال هذا، و سفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطىٰ هذا من حسناته وهذا من حسناته، فان فنيت حسناته قبل ان يقضىٰ ما عليه، اخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح في النار (۵۔ مسلم/ ج۴، ص۱۷۹، رقم ۲۵۸۱)

میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو روز قیامت اپنے رب کے سامنے حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوۃ دی ہوگی، روزے رکھے ہوں گے، لیکن ان کے ساتھ ساتھ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی، جن کا حق اس کے ذمے نکلے گا، اور اگر اس کے مظالم ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس کے کھاتے میں منتقل کردیئے جائیں گے، اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ أعاذنا الله منه

اس شخص کی مثال بالکل واضح ہے، بعینہ اس تاجر کی طرح جو اپنی ملکیت میں ایک لاکھ روپے تو رکھتا ہے مگر ڈیڑھ لاکھ کی رقم دوسروں کی اس کے ذمے واجب الادا بھی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسے مالدار کس طور پر کہا جاسکتا ہے؟

یہی صورت آج ہماری بھی ہے ہم میں سے جو دیندار ہیں، وہ اگر نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں، مالی امور میں بھی نیکی کے راستوں میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، مگر دنیاوی اعتبار سے اپنے سے کم تر افراد سے ان کا رویہ ہمدردانہ یا خیرخواہانہ نہیں، بلکہ تحقیر اور تذلیل کا ہے، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا تو کجا ان سے عام انسانی برتاؤ میں بھی اخلاقی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کا خیال نہیں رکھا جاتا، تو وہ کیسے متقی قرار دیئے جاسکتے ہیں؟

اسی طرح اگر معمول کی عبادات بجالانے والے یا ان کی بجاآوری میں زیادہ تندہی اور

سرگرمی کا مظاہرہ کرنے والے اگر معاملات میں کجی دکھا جائیں۔امانت ودیانت، ایفائے عہد، وعدے کی پابندی کرنے اور ہر طرح کی بدعنوانی سے بچنے کی بجائے ان میں بری طرح ملوث ہو جائیں۔نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ رشوت کا بازار بھی گرم رہے، روزے تو رمضان کے علاوہ بھی جاری رہیں، مگر اجناس میں ملاوٹ بھی عروج پر ہو۔زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دیگر فلاحی ورفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور سود خوری کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ہر سال عمرے اور حج کی ادائیگی کا التزام بھی ہو اور ملکی، دفتری اور کاروباری قوانین کو پامال کر کے دولت بھی دونوں ہاتھوں سے سمیٹی جا رہی ہو، تو یہ اخلاقی کمزوری اور معاملات کی کجی ان عبادات کو بھی کھا جائے گی اور آخرت میں، حساب کے روز حدیث کے مطابق ہاتھ کچھ نہ آئے گا، غیر فائدہ مند پشیمانی اور دائمی رسوائی کے سوا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے اور عاقبت بخیر کرے، آمین۔

ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس ایمان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، جس کے ساتھ حسنِ اخلاق کی نعمت ودولت نہ ہو؟ انسان اللہ تعالیٰ سے انتساب بھی رکھے اور کردار کا کچا اور عادات کا کج رو بھی ہو، ایسے شخص کو مومن کامل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ چہ جائیکہ وہ متقی بھی سمجھا جائے، جو اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، اذا اؤتمن خان، واذا حدث كذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر (۲۔بخاری/ كتاب الايمان، باب علامة المنافق)

چار خصلتیں ایسی ہیں جو اگر کسی کے اندر پائی جائیں گی تو وہ مکمل منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو وہ منافقت کی ایک خصلت رکھنے والا ہوگا، جب تک وہ اسے ترک نہ کر دے، (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

یہ حدیث ہمارے لئے بہترین کسوٹی ہے، جس پر ہم اپنا احتساب کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہم ایمان کے کس مرحلے میں ہیں، اور عام اخلاقیات کے اعتبار سے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟

☆☆☆☆☆

تجارت کے شعبوں میں دین کے احیا کا طریقہ

حضرت مولانا محمد سہیل صاحب مدظلہم کراچی

(حضرت مولانا محمد سہیل صاحب مدظلہم نے کراچی کے مختلف مقامات یعنی کاروباری مراکز وعلاقائی مساجد میں زندگی کے مختلف شعبوں میں دین کے احیا کے عنوان سے بہت ہی مرتب اور جامع گفتگو فرمائی، جن کا خلاصہ اوراہم نکات پیش خدمت ہیں، اسے ضرور پڑھیں، بہت ہی اہم نکات ہیں)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد!

أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

يَـا اَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (سورہ نساء:۲۹)

وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِيْ الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورہ مزمل:۲۰)

التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين (رواہ الترمذی)

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کو اس انسان سے سب سے زیادہ محبت ہے، ایک ماں کو اپنی اولاد سے بہت محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں کی محبت سے زیادہ محبت فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کبھی خسارہ اور گھاٹے میں رکھنا نہیں چاہتے بلکہ دنیا وآخرت میں کامیاب کرنا چاہتے ہیں، اسی کامیابی کے حصول اور تکالیف اور مشکلات سے نکالنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نظام زندگی عطا کیا ہے، اور حق بھی اسی کا ہے کہ وہ نظام دے، ہر کمپنی اپنی پروڈکٹ

کے ساتھ اس کے چلانے کا سسٹم دیتی ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ پروڈکٹ خراب ہو جائے گی، ایک کمپنی گاڑی بناتی ہے تو اس کے چلانے اور ٹھیک رکھنے کا نظام بھی وہی دیتی ہے، ٹویوٹا گاڑی کا نظام کوئی اور کمپنی نہیں دے سکتی، اسی طرح اللہ تعالی نے انسان کو بنایا، انسان کیلئے سب سے بہتر اور عمدہ نظام اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا، یہ یقینی بات کہ اللہ تعالی کے نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں۔

زندگی گزانے کے دو طریقے:

انسان کے سامنے دو راستے اور سسٹم ہیں:

ایک راستہ ظاہری اسباب اور دنیا کو سامنے رکھ کر چلنے کا راستہ ہے جو کہ انسانی عقل سے بنا ہوا راستہ ہے ، انسانی عقل کی کمزوری اور ادراک کی کمی کو سب جانتے ہیں، وہ سامنے دیکھ سکتا ہے پیچھے نہیں دیکھ سکتا، کوئی انسان کسی چیز کو فائدہ مند تصور کرے تو کوئی کسی چیز کو نقصان دہ سمجھے، ایک ناقص عقل اور ناقص علم والے کی سوچ اور نظام پر انسان کو چھوڑ نا انسانیت پر ظلم ہوگا، اور اللہ تعالی ظالم نہیں ہیں، وہ اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں، پھر عقلوں سے بنے ہوئے نظام ناقص ہیں، اس سے آخرت کا تو کیا نظام بنے، دنیا کا نظام بھی نہیں بن سکتا، اس کے لئے دوسرا طریقہ اور سسٹم ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کا بنایا ہوا راستہ اور سسٹم، جس کو اللہ تعالی نے آسمان سے اتارا ہے، اللہ تعالی کی ذات کامل، اسکا علم کامل، اس کی قدرت کامل اور اس کا دیا ہوا نظام زندگی بھی کامل، اس کے نظام میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔

انسان کا تخلیق کردہ نظام ضعیف اور کمزور ہے کیونکہ انسان کمزور ہے اور اللہ کا نظام کامل و مکمل ہے، پھر خالق اور مخلوق میں برابری نہیں تو خالق کا تجویز کردہ نظام اور مخلوق کا ناقص سوچ کے ساتھ بنایا ہوا نظام کیسے برابر ہوسکتا ہے؟ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں ہماری ناکامی اور پریشانی ہے کیونکہ وہ ناقص علم اور ناقص بنیاد پر بنے ہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

آج مسلمان کو ایک غلط فہمی یہ ہورہی ہے کہ انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں، دینداری اور دنیاداری، ہم مسجد کے اندر کی زندگی اور عبادات کے پورا کرنے کو دینداری سے تعبیر کرنے لگے ہیں اور بازار میں جانے اور معاملات و معاشرت کے کاموں میں لگنے کو دنیاداری سے تعبیر کرتے ہیں، یہ

فرق کرنے کی وجہ سے اس آدمی کو جو حلال روزی میں اپنے صبح وشام صرف کرتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا، دھوکہ نہیں دیتا، وقت پر سب کے حقوق ادا کرتا ہے مگر بازار میں ہے تو ہم اس کو دنیادار کہتے ہیں، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی ۲۴ گھنٹے کی زندگی دین ہے، آپ نے امت کو ایمانیات، عبادات، معاملات، معیشت، سیاست، معاشرت اور اخلاقیات دیئے ہیں، آپ کی زندگی کا ہر عمل دین ہے اور اس کو جو بھی اپنائے گا وہ دین دار ہی ہوگا، چاہے وہ تجارت کا شعبہ ہو یا ملازمت کا ہو، علاج معالجہ کا ہو یا زراعت کا ہو، وہ بچوں کی تعلیم وتربیت ہو یا معاشرتی زندگی کا، ملکی سیاست کا ہو یا ملکی سرحدات کی حفاظت ہو، مسلمان کی ۲۴ گھنٹے کی زندگی دینداری ہے، اگر ہمارا پانی پینا سنت کے مطابق ہوتو دین بن سکتا ہے تو کیا ہماری تجارت، ملازمت، زراعت، سیاست اور معاشرتی زندگی حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوتو کیا وہ دین نہیں بن سکتا؟ ہم ان معاملات کو دنیاداری تو سمجھتے ہیں لیکن دین نہیں سمجھتے اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے ہم زندگی کے مختلف شعبوں کا دین نہیں سیکھتے، جبکہ اس میں ہمارے پاس کامل مکمل طریقہ حیات اور نظام زندگی موجود ہے جو ہمیں حضور اکرم ﷺ سے ملا ہے، رسول اللہ ﷺ والے طریقہ پر کام کرنے میں سنت کا ثواب ہے، اب خط لکھنا، اس پر دستخط کرنا اور اسٹامپ لگانا، یہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے، اب ہم اس کام کو نبی اکرم ﷺ والی نیت اور طریقہ سے کریں گے تو ثواب بھی ملے گا اور کام بھی ہوگیا، حضور اکرم ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور اس پر بطور دستخط کے مہر لگائی، ہم اپنے خطوط اور ڈاکومنٹ میں نبی کا طریقہ سامنے رکھیں گے تو دین بنے گا، یاد رکھیں! ہر کام کو کرنے کے دو طریقے ہیں، نبی والا طریقہ اور غیروں والا طریقہ، دین اسلام میں ہر دور کے لئے ہدایات موجود ہیں، چاہے کتنی ترقی کا دور آجائے، اسلام کو صرف اونٹوں اور گھوڑوں کے دور کا سمجھنا اور آج کے جدید دور اور سائنسی دور میں یہ سمجھنا کہ اب اسلام کی ضرورت نہیں، یہ غلط سوچ ہے، ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ انسان نے ترقی کرلی، حالانکہ ترقی انسان نے نہیں بلکہ چیزوں نے ترقی کی ہے، پہلے زمانے میں انسان گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اب گاڑی میں سوار ہوتا ہے، سواری بدلی ہے، سوار وہی ہے، اللہ تعالی عالم الغیب ہیں، اللہ تعالی نے نبی علیہ السلام کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی کامیابی کے لئے دین دیا ہے اور یہ انسان کہیں بھی پہنچ جائے، فضا میں سوسائٹی بنالے، چاند پر پہنچ جائے، کسی بھی جگہ چلا جائے، اس کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے ہر وقت رہنمائی موجود ہے، اللہ تعالی نے مختلف انبیا کرام علیہم السلام پر متعدد مرتبہ وحی بھیجی، کسی پر چھ دفعہ، کسی پر دس دفعہ، کسی پر زیادہ،

کسی پر کم، مگر حضور اکرم ﷺ پر ہزاروں مرتبہ وحی بھیجی ہے اور اس میں وہ سارے علوم سکھلائے جو قیامت تک امت کی ضرورت تھی، اس میں صرف عبادات نہیں ہیں بلکہ معاملات ومعاشرت اور ساری انفرادی واجتماعی زندگی کے احکام ہیں، اور پھر آخر میں فرمایا کہ " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا "، اس عظیم دین سے محرومی میں ہمارا ہی نقصان ہے، اور پھر جہاں تک ہم نے سمجھا ہے کہ یہ دینداری اور دنیاداری کا تصور نصرانیوں کی اتوار کی گرجا کی عبادت سے ہمارے اندر آیا، کیونکہ ان کا مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کے دین میں ان کے پاس گرجا سے باہر کوئی دینی رہنمائی نہیں، وہ گرجا میں جا کر چند منٹ عبادات کر لیتے ہیں اور اس کے بعد باہر کی کوئی رہنمائی نہیں، نہ تجارت میں نہ ملازمت، نہ علاج معالجہ میں نہ زراعت میں اور نہ کسی اور شعبہائے زندگی میں، لیکن الحمدللہ اسلام میں تو ہر موقعہ کی رہنمائی موجود ہے۔

کمانے اور اپنے ہاتھ سے محنت کرنے کے فضائل:

معاشی معاملات کے فضائل کا ثواب اس فرد کیلئے ہے جو اُن کے استحضار کے ساتھ، دین کو سیکھ کر اور علماء کرام سے پوچھ کر کرے گا ورنہ بغیر فضائل کے استحضار کے نفس تجارت اور ملازمت پر ثواب نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ **التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين**، کہ قیامت کے دن سچا اور ایماندار تاجر اللہ تعالی کے برگزیدہ اور چنیدہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام اور صدیقین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ **الكاسب حبيب الله** کمانے والا اللہ تعالی کا محبوب اور پیارا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ **طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة** یعنی ایمانیات اور فرائض اعمال کے بعد اہم ترین فریضہ حلال کمانا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ **ماأكل أحد طعاما قط خير من أن يأكل من عمل يديه وان نبي اللّٰه داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده** (رواہ البخاری) یعنی سب سے بہترین کمائی اپنی محنت کی کمائی ہے اور حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کماتے تھے) کمانا انبیا کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ **كما قال الامام محمد بن الحسن الشيباني رحمه اللّٰه في كتابه الكسب : الكسب هو دب الانبيا**۔ اور انبیا کرام علیہم السلام اپنی ضرورت کمائی سے پوری کرتے اور دین کے کام پر اجرت نہیں لیتے تھے بلکہ اس پر ان کا اعلان ہوتا کہ

لا أسئلكم عليه من أجر، کہ دین کی دعوت اور تعلیم پر میں تم سے کوئی اجرت نہیں طلب کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کے بازار اُن کی مسجدوں جیسے نہیں ہوتے؟ یعنی ہم بازار میں بھی اللہ کے حکم کو پورا کر کے دین پر عمل کر سکتے ہیں، جس طرح ہماری مسجد کی زندگی اللہ کے حکم کو زندہ کرنے والی ہے، اسی طرح ہماری بازار کی زندگی بھی اللہ کے حکم کو زندہ کرنے والی ہو، ہمارا ہر کام دین داری ہے، صرف اس میں حضور اکرم ﷺ والا طریقہ لانا ضروری ہے۔

تجارت کی بابت نبوی تعلیمات کی چند ہدایات

حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد دیکھا کہ مسلمان یہود کے بازاروں میں کاروبار کرتے تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمانوں کے لئے بازار کی جگہ تلاش کرنے کا فرمایا، پھر آپ علیہ السلام بنفس نفیس خود حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لیکر مدینہ میں سوق الخیل کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ **هذا سوقكم ولايضرب عليه الخراج** ۔کہ آج سے یہ تمہارا بازار ہے، اس میں کاروبار کرو اور یہاں تم پر کوئی ٹیکس نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجارت وملازمت کرنا سکھائی، اس نبوی طریقہ میں پہلی چیز کمائی کی نیت درست کروانا ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسئلة و سعيا على أهله و تعطفا على جاره لقى الله تعالى وهو عليه راضٍ ؛ وفى رواية: لقى االله تعالى ووجهه مثل القمر فى ليلة البدر و من طلب الدنيا حلالاً مكاثراً مفاخراً مرائياً لقى االله تعالى وهو عليه غضبان** (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے تین نیتیں کروائیں اور تین چیزوں سے بچنے کی ترغیب دی، فرمایا کہ جو آدمی حلال روزی اس نیت سے حاصل کرے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کرنے سے بچے، اہل وعیال کی ضرورت پوری کرے اور پڑوسیوں اور حق داروں کا حق ادا کرے، کل قیامت میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا اور اللہ تعالی اس سے راضی ہوں گے اور اگر اس کی حلال کاروبار سے نیت یہ تھی کہ میں خوب مال والا بن جاؤں، لوگوں میں جاہ ومنصب والا کہلاؤں اور لوگوں میں خوب شہرہ اور دکھلاوا ہو تو کل قیامت میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالی اس سے ناراض ہوں گے۔

اسلام نے ہر چیز کا طریقہ بتلایا ہے اور اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ بھی راضی

ہوگا اور کمائی میں برکت بھی ہوگی، دنیا کی یونیورسٹیوں میں MBA کے کورس میں منی جنریشن اور میکسمایزیشن سکھاتے ہیں یعنی کس طرح دولت پیدا کی جائے اور لوگوں کو لوٹا جائے، یہ برناڈ، روبن، مائیکل اور دنیا کے ماہر اقتصادیات کا نقشہ ہے جس کا مقصد صرف اور صرف دولت جمع کرنا اور بڑھانا ہے، آج ہر شعبہ کا نقشہ صحابہ کرام ﷡ کے نقشہ سے الگ ہوگیا تو اس وجہ سے ہم غیروں کے نقشے پر چل پڑے ہیں اور لوگوں کا خون چوس رہے ہیں، اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے طریقے اور دیئے ہوئے نقشہ میں لوگوں کی ہمدردی اور غم خواری ہے، خون چوسنا نہیں۔

نبوی طریقہ میں دوسری چیز بازار میں تاجر کے احوال کا معاینہ ہے، حضور اکرم ﷺ ظہر کے بعد بازار جاتے اور تاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات کو دیکھتے، ایک مرتبہ ایک کھجور والے کے پاس گئے، اس کے پاس ڈھیر لگا ہوا تھا، اس نے تر کھجور کو خشک کھجور سے چھپا رکھا تھا، آپ ﷺ نے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے تر کھجور نظر آئیں، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ رات کو بارش کی وجہ سے تر ہوگئیں، اس لئے ان کو خشک کھجور کے اندر رکھ دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "من غش فلیس منا " کہ جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شیطان اور گناہ تمہارے کام میں آجاتا ہے تو صدقہ کے ذریعے اس کو دور کرو، آپ علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کاروبار کے طریقے سکھاتے تھے۔

نبوی طریقہ میں تیسری چیز خریدار سے بھی خیر خواہی ہے اور بیچنے والے سے بھی، ہمارے ہاں یہ سوچ ہے کہ بیچنے والا زیادہ نفع لینا چاہتا ہے اور خریدنے والا کم میں خریدنا چاہتا ہے، ہر ایک کی اپنی غرض ہوتی ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس کا الٹ تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جانوروں کی خرید وفروخت کا کاروبار تھا، ایک آدمی نے ان کو تین سو درہم کا اونٹ فروخت کیا، آپ نے اس کو اچھی طرح دیکھا اور پھر اس کی قیمت چار سو درہم، پھر پانچ سو درہم، پھر چھ سو درہم، پھر سات سو درہم طے کی اور پھر فرمایا کہ اس کی اصل قیمت تو آٹھ سو درہم ہے، میں اس کو اس سے کم میں نہیں خریدتا، جب خرید کر جانے لگے تو فرمایا کہ میں بتاؤں کہ میں نے اس کو آٹھ سو درہم میں کیوں خریدا؟ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر **"بیعة النصح لکل مسلم "** کی تھی کہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کروں گا، اور تمہاری خیر خواہی یہی تھی کہ میں تم کو اس کی پوری قیمت دوں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس میں آپ نے پانچ سو دینار کا گھوڑا ایک ہزار دینار میں خریدا۔

بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اناج کی قلت ہوگئی اور لوگوں کی ضرورت کا مال کم ہوگیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اناج سے لدا قافلہ مدینہ منورہ آیا، آپ نے بولی لگوائی، کسی نے ایک درہم کی چیز کا دام سوا درہم لگایا اور کسی نے ایک درہم کی چیز کا دام ڈیڑھ درہم لگایا، آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اللہ تعالی سے سودا کیا ہے اور وہ ایک درہم کی چیز کے دس عطا کریں گے، اور سارا مال مدینہ والوں کی ضرورت پر خرچ کر دیا، یہ بھی ایک تجارت ہے، دنیاوی تعلیم تو مال کی کمی ہونے پر بلیک مارکیٹنگ سکھاتی ہے، لوگوں کو مہنگا مال بیچنا سکھاتی ہے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تاجر اپنے علاقے کے لوگوں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر ان پر خرچ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ لوگ پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مال خریدتے پھر دوسرے لوگوں سے خریدتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کاروبار کا مقصد دوسروں کو نفع دینا تھا، ایک حدیث میں آتا ہے کہ **التجار و هم أمناء الله في الارض** یعنی تاجر لوگ زمین پر اللہ تعالی کے جنرل سیکریٹری ہیں، اللہ تعالی نے مسلمان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، خلافت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عیال یعنی مخلوق کے ساتھ نفع اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے۔

سری لنکا میں بعض مسلمان تاجر آئے اور انہوں نے کہا کہ پہلے وہ تاجر آئیں جنہوں نے گذشتہ موقعہ پر ہم سے مال خریدا تھا، اب وہ اس کو واپس کرنا چاہتے ہیں، ہم پہلے وہ واپس لیں گے پھر نیا مال بیچنا شروع کریں گے، اس عمل کی برکت سے سری لنکا میں اسلام پھیلا، آج وہاں تاجر برادری اس وجہ سے بھی زیادہ ہے۔

ہمارے ساتھ بعض علما نے آٹھ دس سال پہلے فکر کی کہ کس طرح ہر شعبہ میں دین زندہ کریں، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دینی علم کی بنیادی تفصیل عربی میں اور مختلف اردو زبان کی کتب اکابر میں بکھری ہوئی تھی اور تجارت و ملازمت بازار میں، علاج معالجہ ہسپتال میں، زراعت کھیت میں، مگر اس کے علوم سارے عربی میں اور مدرسہ میں، چنانچہ ہر شعبہ کو سامنے رکھ کر اس کے اعتبار سے اردو میں الگ الگ کر کے جمع کرنا شروع کیا، اس میں اپنی طرف سے کچھ بھی شامل نہیں کیا بلکہ بڑوں کی کتابوں سے لینا شروع کیا، تو ایسا اعلی وارفع ہر شعبہ زندگی کا نظام سامنے آیا کہ اس سے بہتر نظام کسی کے پاس نہیں تھا، اس کے نتیجے میں چند نصاب تیار ہوئے:

اسلامی طریقہ تجارت (مطول 4 جلد)

اسلامی طریقہ ملازمت (مطول 3 جلد)

اسلامی طریقہ علاج معالجہ (مطول 5 جلد)

اسلامی طریقہ زراعت (مطول 4 جلد)

اسلامی طریقہ معاشرت (زیرترتیب)

اسلامی طریقہ تعلیم وتربیت (زیرترتیب)

(ان سب نصاب کا مختصر بھی تیار ہوا ہے جو ایک جلد میں ہے تا کہ پڑھنے والوں کو مشکل نہ ہو، اور مطول نصاب سے پڑھانے والے علماء کرام استفادہ کرسکتے ہیں)

اس میں ہمیں تجارت وملازمت اور باقی شعبوں کی ایسی بنیادیں ملیں کہ ہم دنگ رہ گئے کہ یااللہ! اس دین اسلام میں اتنی جامعیت ہے اور ہم غیروں کی طرف بھٹک رہے ہیں، ہمارے ساتھ کام میں بعض پروفیسر حضرات بھی تھے، کہنے لگے کہ ایسا نظام تو ہم نے آج تک نہ پڑھا اور نہ سنا، ہم تو آج تک صرف تھیوری ہی تھیوری پڑھتے آئے تھے، یہاں تو پریکٹکل ہے، عمل ہے، جاذبیت ہے، اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے اور اس میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ اس میں ہر چیز آسمانی علوم والی ہے، اور اس کو ایک عام آدمی کا سیکھنا بھی آسان ہے، ہمیں اسلامی طریقہ تجارت میں ایک تاجر کی ۱۸۲ ایسی صفات ملیں جو اس کی تجارت کو چمکا دے، دین بہت آسان ہے اور اس کو زندہ کرنا بھی بہت آسان ہے، آج ہمارے بازاروں میں دین سے دوری کی وجہ سے ہم پریشان ہیں، علما فرماتے ہیں کہ کسی بھی کام میں لگنے سے پہلے اس کام کے کرنے والے کو اس کام کا علم سیکھنا فرض عین ہے اور کسی بھی کام اور کمائی کے شعبہ میں علم سیکھے بغیر لگنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں اعلان کرتے تھے کہ پہلے اپنی تجارت کا علم سیکھو اور پھر بازار میں تجارت کرو۔

ہم اپنے شعبے کا دین سیکھیں اور لوگوں کو سکھائیں اور اس کیلئے جو نصاب مرتب کیا گیا ہے، اس کو علما کرام سے ایک دفعہ پڑھ لیں، پھر دیکھیں کہ کیسے آپ کے کام میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔

اسلامی اصول تجارت کی برکت:

لاہور میں گارمنٹ کے ایک تاجر نے مسجد میں اسلامی طریقہ تجارت پڑھنا شروع کیا، اس کا گارمنٹ مینوفیکچرنگ اور ایکسپورٹ کا کاروبار تھا، اس کو فرانس سے ایک کمپنی نے آرڈر دیا، اس نے

اسلامی طریقہ تجارت میں پڑھا تھا کہ:
غیر مسلم سے بھی کاروبار ہوسکتا ہے کہ مسلمان ہمارا اسلامی بھائی ہے اور غیر مسلم ہمارا انسانی بھائی ہے،
کاروبار میں ایمانداری اور سچائی کا حکم ہے،
کاروبار میں **أوفوا بالعقود** کہ طے شدہ معاملات کو پورا کرنے کا حکم ہے،
کاروبار میں سنت یہ ہے کہ "**زنوا رجح**" کہ جھکتا تولو،
کاروبار میں گاہک کو ہدیہ دینا سنت ہے، **تهادوا تحابوا** کہ ہدیہ سے محبت بڑھتی ہے۔

اس تاجر نے فرانسیسی کمپنی کے آڈر جس کا نمونہ مثلا **۲۰** تھا تو اس کو ۲۱ بلکہ **۲۲** بنا کر دیا، ایمانداری اور معاملات کی درستگی کے ساتھ وقت پر پورا بلکہ اس سے بڑھ کر پورا کیا۔ گارمنٹ کے پانچ کاٹن اضافی ہدیہ کی نیت سے ڈال دیئے اور ساتھ میں اس میں ایک چٹ ڈال دی کہ آپ کے مال میں ہینڈلنگ میں یا ہمارے بنانے میں کسی کپڑے میں کوئی کمی ہو تو ان پانچ سے پورا کرلیں، جو اضافی نکلے وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔

اس فرانسیسی کمپنی کو پاکستان کی اس کمپنی کے بارے میں اندازہ نہ تھا، کیونکہ عموما باہر کی دنیا کے لوگوں کا پاکستان کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ 20 کا نمونہ 17 یا 18 آتا ہے، 19 بھی آجائے تو غنیمت، اب یہاں کھولا تو حیران کہ بیس نمونہ کا بائیس اور مال کے ساتھ ہدیہ، مال بھی بروقت اور پورا، اس کمپنی نے ای میل کی کہ یہ تجارت آپ نے کس یونیورسٹی سے سیکھی؟

اس تاجر نے بتایا کہ میں نے کسی یونیورسٹی سے نہیں سیکھی بلکہ ہماری مسجد میں ہمارے امام صاحب سکھاتے ہیں، اور یہ سب ہمارے دین میں موجود ہے،

اس کمپنی کے مالک نے پوچھا کہ کیا تمہارا دین تم کو بزنس بھی سکھاتا ہے،

اس تاجر نے جواب دیا کہ بزنس تو بہت بڑی چیز ہے، ہمارا دین تو ہم کو چھوٹی چھوٹی باتیں استنجا کا طریقہ، کھانے پینے کا طریقہ، لباس پہننے اتارنے کا طریقہ وغیرہ سب سکھاتا ہے، ہماری 24 گھنٹے کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں ہمیں ہمارے دین کی ہدایت اور تعلیم نہ ملی ہو،

اس کمپنی کے مالک نے کہا کہ اگر کسی دین میں اتنا کچھ موجود ہے تو وہ پھر کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہوسکتا، یہ آسمان سے نازل کیا ہوا دین ہے، اور میں اس دین کو قبول کرتا ہوں، اور پھر وہ فرانسیسی تاجر مسلمان ہوگیا۔

یہ ہے اسلامی اصول کو اپنانے کی برکت! اللہ تعالیٰ ہم سب کو انھیں اپنی عملی زندگی میں برتنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اسلامی تقویم: تاریخ واہمیت

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیر آبادی، ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

تقویم کی تحقیق اوراس کی ضرورت : گزشتہ زمانے کے واقعات وحادثات وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اور آئندہ زمانہ کے لین دین، معاملات وغیرہ کی تاریخ متعین کرنے کے لیے تقویم (کیلنڈر) کی نہایت ضرورت ہے، کیوں کہ کیلنڈر کے بغیر ماضی کی تاریخ معلوم ہوسکتی ہے، نہ مستقبل کی تاریخ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

تقویم کی اقسام : واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی تقاویم چلتی ہیں، جن کا دارومدار تین چیزیں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے۔ اس لیے بنیادی تقاویم تین ہیں۔ شمسی، قمری، نجومی۔ پھر شمسی کیلنڈر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عیسوی، جس کو انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں، دوم بکرمی جس کو ہندی بھی کہتے ہیں، سوم تاریخ فصلی۔ ان کے علاوہ اور بھی تقاویم ہیں، جیسے تاریخ رومی، تاریخ الٰہی۔

تاریخ کا ماخذاور اس کی ابتدا : تاریخ کے ماخذ کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

آثار مضبوط۔ یعنی تمام لکھی ہوئی چیزیں، مثلاً کتابیں، یادداشتیں، دفتروں کاغذات، پرانے فیصلے، دستاویز وغیرہ۔ آثار منقولہ، یعنی زبان زد عام باتیں مثلاً کہانیاں، نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔ آثار قدیمہ یعنی پرانے زمانے کی نشانیاں، مثلاً شہروں کے خرابے قلعے، مکانات، کتبے، تصویریں وغیرہ۔

تاریخ کے فوائد پر نظر ڈالتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ تاریخ ایک ایسی چیز ہے اور ایک ایسا فن ہے جو کثیر الفوائد اور بہترین نتائج پر مشتمل ہے اور تاریخ کا علم ہم کو سابق امتوں کے اخلاق، حالات، انبیا کی پاک سیرتوں اور سلاطین کی حکومتوں اوران کی سیاستوں سے روشناس کرتا ہے، تاکہ جو شخص دینی ودنیوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہے تو کرسکے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

تاریخ کا مقصد اور فائدہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد میاں مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا

اوراس پرعمل کرنا تاریخ کا مقصداور فائدہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحم اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب زمین پر انسان کی آبادی وسیع ہونے لگی تو تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت ہبوط آدم علیہ السلام سے تاریخ شمار کی جانے لگی، پھر طوفان نوح علیہ السلام سے اس کی ابتدا ہوئی، پھر نار خلیل سے، پھر یوسف علیہ السلام کے مصر میں وزیر بننے سے، پھر موسی علیہ السلام کے خروج مصر سے، پھر حضرت داؤد سے، ان کے فورا بعد سلیمان علیہ السلام سے پھر حضرت عیسی علیہ السلام سے۔اس کے بعد ہر قوم اپنے اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سن قرار دیتی تھی، مثلاً قوم غسان نے سد سکندری کو، اہل صنعا نے حبشہ کے یمن پر چڑھ آنے کو سن قرار دیا، مختصر یہ کہ جس طرح ہر قوم نے اپنی تاریخ کا مدار قومی واقعات وخصائص پر رکھا، اسی طرح اہل عرب نے بھی تاریخ کے لیے عظیم واقعات کو بنیاد بنایا، چنانچہ سب سے پہلے اہل عرب نے حرب بسوس (یہ وہ مشہور جنگ ہے جو بکر بن وائل اور بنی ذہل کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی) سے تاریخ کی ابتدا کی۔اس کے بعد جنگ داحس جو محض گھڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان نصف صدی تک جاری رہی، پھر جنگ غبرا سے، پھر جنگ ذی قار سے پھر جنگ فجار سے تاریخ کی ابتدا کی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف میں سے ایک بزرگ کعب کے کسی واقعہ سے سالوں اور تاریخ کا حساب لگاتے رہے، پھر اصحاب الفیل کے واقعہ سے، یہاں تک کہ عام الفیل کی اصطلاح ان کے یہاں رائج ہوئی۔(ملاحظہ ہو عمدالقاری للعلامہ بدرالدین عینی)

لیکن اتنی بات واضح ہے کہ رومیوں اور یونانیوں کے دور، بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور عام طور سے یہیں سے تاریخ کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ (ھجری) کی ابتدا: حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ابو موسی اشعری عراق وکوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کے پاس خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات اور ہدایتیں ملتی ہیں ان میں تاریخ نہیں ہوتی، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس تاریخ کا حکم نامہ ہے؟ جس کی بنا پر بعض دفعہ ان پرعمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔اس پرغور کرنے کے لیے حضرت عمر نے مجلس شوری منعقد کی اور اکابر صحابہ کو جمع کیا، جن میں حضرت عثمان اور حضرت علی بھی تھے۔یہ بحث شروع ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔حضرت علی نے

ہجرت کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

اسلامی تاریخ کیلئے ہجرت کی ترجیح کی وجوہات:

ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مستحکم مرکز مل گیا۔ مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے کے مواقع مل گئے۔ اہل اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔ اسلامی طرز معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے، اسلام کے اقتصادی و معاشی پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہو گئی، تعلیمات اسلام کی نشر واشاعت کے لیے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا، ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسلام کی اسی ظاہری اور باطنی شان وشوکت کے پیش نظر ہجرت کی تاریخ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا گیا۔

اسلامی سن کا آغاز محرم الحرام سے کیوں ہوا ؟اس کے بعد مہینے کے بارے میں مشورہ ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رجب المرجب کی رائے دی، کیوں کہ یہ اول شہر الحرام ہے، حضرت طلحہ نے رمضان المبارک کی رائے دی، بعض حضرات نے ربیع الاول کی رائے دی۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے محرم الحرام کی رائے دی، اس کو فاروق اعظم نے پسند فرمایا۔

قمری تقویم کے فوائد : مروجہ تقویم میں سے جو فوائد قمری تقویم میں ہیں وہ کسی اور تقویم میں نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ رب کائنات نے روزمرہ کے کام کاج اور لین دین کی آسانی وسہولت کی خاطر چاند کا نظام اس طرح بنایا جس سے ہر انسان ہر علاقے میں آسانی سے تاریخ کا تعین کر سکتا ہے۔ مثلاً مغرب کی طرف سے جب چاند پتلا نظر آتا ہے تو ہر انسان (عالم، جاہل، شہری، دہقانی) معلوم کر سکتا ہے کہ مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، اسی طرح چاند جب بالکل مکمل ہو تو اس سے چودھویں تاریخ کا تعین کر سکتا ہے، اسی طرح جب مشرق کی جانب سے چاند باریک طلوع ہوتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیس یا اٹھائیس تاریخ ہے، اسی طرح روز روز واضح طور پر چاند کی صورت تبدیل ہو جاتی ہے، جس سے ہر انسان معمولی تدبر سے تاریخ کا تعین کر سکتا ہے۔ بخلاف شمسی تقویم (کیلنڈر) کے کہ اس سے تاریخوں کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلا دسمبر کی پندرہ تاریخ ہو تو کوئی آدمی آفتاب دیکھ کر یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ آج پندرہ تاریخ ہے، نہ اس کی ہیئت وصورت میں نمایاں تبدیلی آتی ہے، جس کو دیکھ کر تاریخ کا تعین ہو سکے، نیز شمسی تاریخ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لیے اللہ تعالی نے احکام وعبادات کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے، قرآن کہتا ہے: يسئلونک عن الاهلة قل هی مواقيت للناس والحج (البقرہ)

چند اعتراضات کے جوابات: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قمری حساب یقینی نہیں، کیوں کہ مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے، کبھی ۳۰ کا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی یقینی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ اعتراض جاری ماہ کے متعلق نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کی تعیین رویت ہلال سے ہوچکی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عملی رویت ہلال مذہبی تقریبات کے لیے ضروری ہے عام حساب کے لیے ضروری نہیں۔ یہ حسابی طریقہ پر متعین کیا جاسکتا ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ پوری دنیا میں چاند کا طلوع ایک دن میں نہیں ہوتا، بلکہ مشرق وسطی میں برصغیر سے ایک یا دو دن پہلے نظر آجاتا ہے یا ورعرب مما لک اور برصغیر ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کی تاریخوں میں فرق ہوتا رہتا ہے تو مذہبی تقریبات کن لوگوں کی تاریخ پر منائی جائے؟ ! اگر ہر جگہ رویت کو معتبر کیا جائے تو عبادت بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے لیے ہر جگہ کی رویت کو مستند قرار دیا جائے گا، کیوں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، سارے انسانوں کے لیے تمام مقامات اور تمام زمانوں کے لیے ہے تو ساری دنیا میں بیک وقت عبادات ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

مثلاً مکہ مکرمہ کی اذان صبح کے مطابق انڈونیشیا میں نماز فجر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ کے آفاق ومطالع کے موافق آسٹریلیا میں عید منانا ممکن نہیں ہے۔ تو مسجد حرام کی نماز اپنے وقت پر ادا ہوگی، انڈونیشیا کی نمازیں اپنے وقت پر، نیز حج، جو مقامی عبادت ہے، وہ مکہ ہی کے افق کے مطابق ادا ہوگی اور مشرق بعید کے مما لک میں عید وغیرہ اپنے اپنے مطلع کے مطابق ادا ہوں گی اور یہ کوئی نقص نہیں ہے، یہ فرق تو عیسائیوں اور ہندوؤں کے شمسی حساب میں بھی ہے، مثلا جس وقت ویٹی کن میں کرسمس کا گھنٹہ بجتا ہے اس سے تقریبا گیارہ گھنٹے قبل جزیرہ سخالین میں کرسمس کی عبادت ہوچکی ہوتی ہے اور جس وقت بنارس میں بسنگ پنچمی کا اعلان ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت ماریشس میں نہیں ہوتا۔ تو یہ بات کہ تقریبات بیک وقت ادا نہیں ہوسکتیں، قمری ہجری تقویم کے سلسلے میں بطور اعتراض پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تقویم قمری ہجری اختیار کرنے کی صورت میں جن دقتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب واہمہ ہیں، عرب مما لک بالخصوص سعودی عرب، جہاں اسلامی ہجری تقویم نافذ ہے وہاں کے کیلنڈر اور حساب کتاب میں کبھی ابہام نہیں پایا گیا اور کسی کو کوئی دقت اور اعتراض بھی نہیں۔

شمسی اور قمری تاریخ کے متعلق آخری اور اہم بات حضرت مفتی اعظم کے اس اقتباس میں ہے کہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ:

بقیہ ص: ۵۵ پر

دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی ایک مشن:

مولانا عبدالعظیم قاسمی
ناظم دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور

ماہ شوال سے عربی اسلامی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے اور شعبان المعظم میں تعلیم وتربیت کا رَواں دواں قافلہ ٹھہر جاتا ہے، اس کے بعد تعطیل کلاں میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ گذر جاتا ہے، کم وبیش ہندوستان وپاکستان اور برصغیر کے تمام علاقوں کا یہی اصول عربی مدارس میں صدیوں سے رائج ہے۔

یہ تینوں مراحل اپنے اپنے لحاظ سے بہت اہم ہیں، اگر شوال میں طالبان علوم نبویہ کے وفود وقافلے امنگ وحوصلے سے لبریز، تلاش وجستجو سے سرشار اپنے اپنے گھروں سے ہندوستان کے مختلف مدارس کا رخ کرتے ہیں تو اہل مدارس وذمہ داران مراکز علمیہ کی بھی سرگرمیاں سال کے آغاز میں فزوں تر ہوجاتی ہیں، آنے والے مہمانان رسول کے داخلے، قیام وطعام اور درجات کی تعیین کا نظم کرنا، پھر درس وتدریس کا اصل سلسلہ شروع کرنا بہت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔

رجب وشعبان کے دومہینوں میں، مدرسہ وجامعہ کی تعلیمی کارکردگی، نصاب تعلیم کی تکمیل اور سالانہ اختتامی جلسوں اور طلبہ عزیز کے ثقافتی واصلاحی اور دعوتی پروگراموں میں مدارس کا عملہ جٹا ہوتا ہے، اگر ایک جانب طلبہ عزیز رات دن محنت میں لگ جاتے ہیں، یہاں تک کہ عام طور پر کھلاڑی قسم کے لاپرواہ طلبہ بھی کتابوں کی ورق گردانی، پڑھے ہوئے اسباق کے مراجعہ ومذاکرہ میں جٹ جاتے ہیں، کیوں کہ ان کو سالانہ امتحان کے مشکل مرحلہ کا سامنا کرنا ہے، ان کے والدین کی نگاہیں ان کے نتائج پر ہوتی ہیں، ان ہی امتحانات کے ذریعہ طلبہ عزیز کی محنتوں اور صلاحیتوں کا علم سرپرستوں اور والدین واقارب کو ہوتا ہے، اسی کے ساتھ مدارس کے معیار تعلیم وتربیت اور اساتذہ کرام کی جانفشانیوں، لیاقتوں کا جائزہ بھی سامنے آجاتا ہے، جو عام طور پر مدارس کی عزت وشہرت پر مثبت یا منفی طور سے

اثر انداز ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن کو اس نے اپنے فضل وکرم سے مختصر مدت میں عزت وشہرت سے ہمکنار کیا، اپنے محدود وسائل اور حالات کے تغیرات کے باوجود پورے سال دارالعلوم میں عزیز طلبہ کی تعلیم وتربیت اپنے متعینہ اصولوں کے تحت پُرسکون ماحول میں بحسن وخوبی چلتی رہی، اساتذہ کرام نے (خواہ درجات پرائمری واطفال کے ہوں، یا عربی وحفظ) سبھی نے محنت ولگن اور اخلاص کے ساتھ اپنے طلبہ پر توجہ دی، طلبہ عزیز نے بھی گذشتہ سالوں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا، حالانکہ نوٹ بندی کے باعث اور بے تحاشا گرانی و مہنگائی کی وجہ سے دارالعلوم تحفیظ القرآن کا سالانہ بجٹ بہت زیادہ متأثر ہوا اور اساتذہ کرام نے بغیر کسی مطالبے اور ناگواری کے خوش دلی سے اپنی مفوضہ ذمہ داری کو پورا کیا، یہی ان کے اخلاص و بے لوثی کا ثبوت ہے، جو کسی بھی تربیت گاہ اور تعلیم گاہ کی ترقی اور نیک نامی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

الحمدللہ دارالعلوم تحفیظ القرآن کے سالانہ امتحانات کے نتائج بہت حوصلہ افزا رہے، درجہ حفظ کے دو نئے حافظ طلبہ نے ایک ہی مجلس میں پورا قرآن سنا کر یہ ثابت کر دیا کہ ان کے باکمال مخلص اساتذہ دل وجان سے ان پر محنت کرتے ہیں، ان دونوں بچوں کی اس اعلیٰ صلاحیت کے پیچھے ان کے اساتذہ کی صلاحیت کارفرما ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ادارے کو ایسے محنتی طلبہ واساتذہ مل گئے جو ان شاءاللہ مدرسہ کی روحانی ودینی ترقیات میں اہم کردار ادا کرتے رہیں گے اور جس عظیم مقصد کے لیے ہم نے یہ ادارہ قائم کیا اور ترقی کا جو خواب دیکھا ہے، وہ بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

کسی بھی دینی وتعلیمی ادارہ کی تعمیر وترقی میں مسلمانوں کے مالی تعاون کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، انھیں مخیرّ حضرات کے تعاون سے اللہ تعالیٰ علوم اسلامیہ کے کارواں کو منزل کی جانب تیز گام رکھتا ہے؛ لہٰذا صرف مدارس کے ذمہ دار اور اساتذہ وطلبہ مدارس کا حصہ نہیں ہوسکتے، بلکہ عامۃ المسلمین کی مدد واعانت تعلیمی مراکز کی ترقی ونیک نامی میں ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں نے بہت ہی دوراندیشی اور حکمت عملی سے ہندوستان کے عربی مدارس اور اسلامی مکاتب کا رابطہ عام مسلمانوں سے ''عوامی چندہ'' کے ذریعہ جوڑ دیا ہے، اس کا ثمرہ ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمان اپنے تعلیمی مراکز سے ایمانی وجذباتی طور پر اس طرح جڑے ہوتے ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں دیکھا جاسکتا۔ اگر ان مخیرّ ایثار پسند مخلص مسلمانوں کا مالی ومادی تعاون مدارس

کے وجود وبقا اور ترقی کا بنیادی وسیلہ ہے تو مسلمانوں کے عقائد وافکار اور اعمال کی درستگی میں انھیں مدارس کا سب سے بڑا کردار ہے۔ ورنہ سلطنت مغلیہ کے سقوط اور برطانوی سامراج کے تسلط کے بعد یقینی طور پر برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش بھی اسپین ثانی بن چکے ہوتے اور ہندوستان کی تاریخ بھی آج کے برعکس کچھ اور ہوتی!!۔

لہذا ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند ہر صورت میں اپنے ان دینی وفکری اور تعلیمی اداروں کو محفوظ ومضبوط بنائیں؛ کیوں کہ انھیں مدارس سے مسلمانان ہند کی دینی وایمانی شناخت قائم ہے اور کوئی بھی زندہ قوم کسی بھی حالت میں اپنے عقیدہ وایمان اور مسلک ومذہب سے دست بردار نہیں ہوسکتی اوراس کے لیے ایثار وقربانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

اس وقت جو حالات ہیں وہ مسلمانوں کے اسلامی وملی تشخص اور دینی شعائر اور ایمانی خصوصیات کے لیے انتہائی سنگین اور تشویش ناک ہیں، اگر ہمارا اسلامی وجود اور علمی پہچان برقرار رہ سکتی ہے تو انھیں مدارس ومعاہد کے ذریعہ قائم رہ سکتی ہے، اس لیے ان کی حفاظت واعانت اور ان سے وابستگی مسلمانان ہند کا اولین فریضہ ہے۔

دارالعلوم تحفیظ القرآن ایک مشن ھے:

مسلمانوں کو اپنے معالم وشعائر کو باقی رکھنے کے لیے ہمہ جہت پیمانہ پر محنت کرنے کی ضرورت ہے اور جیسا کہ میں نے کہا کہ انھیں مدارس نے نازک حالات میں اسلامیان ہند کے ملی تشخص کو باقی رکھا اور آئندہ بھی یہی مسلمانوں کا مرکز ومحور ہوں گے۔

ہم نے دارالعلوم تحفیظ القرآن کی بنیاد اسی جذبۂ خالص کے ساتھ رکھی تھی کہ آنے والے سالوں میں نئی اسلامی نسل کی تعلیم وتربیت کا ایسا مرکز بنے گا جس کے ذریعہ نونہالان ملت کے معصوم دلوں میں ایمان خالص کی تخم ریزی کی جائے گی، ان کا رشتہ قرآن وسنت سے مضبوط کیا جائے گا، ان کو ایک باکمال عالم، دین دار حافظ قرآن بنانے کے ساتھ ساتھ حساس وذمہ دار شہری بھی بنایا جائے گا، جو اپنے ملک وقوم کے حق میں ہر لحاظ سے نفع بخش اور قابل فخر ہوگا، جو قوم کی دینی وفکری اصلاح اور معاشرہ کی تعمیر میں اپنا اسلامی کردار ادا کرنے میں بیباک اور جری ہوگا؛ لہذا دارالعلوم تحفیظ القرآن محض ایک مکتب اور مدرسہ سے بڑھ کر ایک اصلاحی، سماجی اور اسلامی مشن ہے، جو ہر دم جاری رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے، اللہ کا فضل وکرم ہے کہ دارالعلوم نے اپنی مختصر زندگی کے سات سالہ دور میں

مخیرّ و ہمدرد مسلمانوں کے فکری و مالی تعاون سے زبردست ترقی اور کامیابی حاصل کی ہے۔

اب جب کہ حالات سنگین بنائے جارہے ہیں، فرقہ پرست عناصر کھل کر اسلامی تشخصات کے خلاف متحد و سرگرم ہو چکے ہیں، تمام مسلمانوں کو ذاتی نقصان وزیاں سے بے نیاز ہوکر اپنی نئی نسل کے ایمان وعقائد اور دینی افکار کی حفاظت کرنا، ان کے تابناک و محفوظ مستقبل کی فکر کرنا لازم ہے۔ اور یہ اسی صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جب کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن جیسے اداروں کی بے لوث مدد کی جائے تاکہ ایمان وعزیمت کا یہ کارواں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

آئندہ کے منصوبے اور عزائم:

دارالعلوم تحفیظ القرآن کی گذشتہ سال کی کاروائی کا مختصر خاکہ میں نے گذرے ہوئے صفحات میں پیش کیا ہے، آئندہ کے عزائم ومنصوبے کا مجوزہ خاکہ درج ذیل ہے:

(۱) درسگاہوں کی قلت کے باعث شعبۂ اطفال و پرائمری درجات کی تعلیم مسجد بیت المجید میں ہوتی رہی ہے، جب کہ مکتب کو مدرسہ کی حدود میں منتقل کرنے اور نظام تعلیم وتربیت کو چست ودرست رکھنے کے لیے جدید درس گاہوں کی تعمیر کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) جامعہ خدیجۃ الکبریٰ: لڑکیوں کی تعلیم گاہ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ (مکتب تاعربی دوم) ایک ہمدرد کی زمین پر عارضی طور پر جاری ہے، اس کے لیے مستقل عمارت کی تعمیر بھی پروگرام کا حصہ ہے اور زمین کی خریداری کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے۔

ملت اسلامیہ کے تمام بہی خواہوں سے گزارش ہے کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اور درج ذیل طریقوں سے ادارے کا تعاون فرمائیں:

(۱) ادھورے اور نامکمل تعمیری کاموں کو مکمل کرادیں۔ بچوں کی موجودہ تعداد کے لحاظ سے مدرسہ کی عمارت تنگ ثابت ہورہی ہے، رمضان کی تعطیل میں فوری طور پر ٹین شیڈ پر مشتمل ۶ رکمروں کی تعمیر ازحد ضروری ہے، اس کیلئے خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔

(۲) اپنے یا اپنے والدین یا کسی عزیز کے نام سے کوئی کمرہ تعمیر کرادیں۔

(۳) کسی نادار طالب علم کا سالانہ خرچ اپنے ذمہ لے لیں یا کسی استاد کی تنخواہ کا مکمل انتظام فرمادیں۔ (ایک استاد کی تنخواہ سالانہ تقریباً ستّر سے اسّی ہزار، اور ایک طالب علم کا سالانہ خرچ تقریباً ۱۰ رہزار روپے ہے)

(۴) کتب خانے کے لئے کتابوں کا نظم اور اس کو رکھنے کیلئے الماریوں کا انتظام کردیں۔

(۵) یہاں صاف پانی کی دشواری ہے، اس کا نظم فرمادیں۔
(۶) بجلی کی ناقص سپلائی کی وجہ سے روشنی کے لئے ایک جنریٹر کی انتہائی شدید ضرورت ہے۔
(۷) موجودہ بلڈنگ کے بالائی ہال میں پارٹیشن دے کر درس گاہوں کی کمی دور کیا جاسکتا ہے، تاکہ حفظ وتجوید اور شعبۂ عربی کے درجات کو وہاں منتقل کیا جاسکے۔
(۸) مدرسہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انتہائی موزوں اور بارونق جگہ پر واقع ہے، لیکن باؤنڈری نہ ہونے کی وجہ سے جانوروں کی آمد ورفت سے کافی دقت ہوتی ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے۔ اس لئے چہار دیواری کی اشد ضرورت ہے۔
(۹) مدرسہ سے متعلق مسجد بیت المجید اور جامع مسجد دارالسلام دونوں میں نماز پنجگانہ ادا کی جارہی ہے، لیکن ابھی صفائی وغیرہ کا کام باقی ہے، مسجد دارالسلام میں وضوخانے کا کام جاری ہے اور تعاون کی سخت ضرورت ہے۔

تمام معاونین سے دعاؤں اور تعاون کی درخواست ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۴ کا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص صفت یہ بتائی گئی ہے کہ آپس میں بہت رحم دل تھے اور کفار کے حق میں بہت سخت تھے، تو ان کی سختی کفر وشرک کے باعث تھی، کیوں کہ ایمان وکفر جمع نہیں ہوسکتے، مگر انسان تو دونوں ہیں، لہذا انسانیت کی بنیاد پر تعلقات تھے، لین دین، خرید وفروخت، کاروبار و تجارت سب ہوتا تھا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، ان کی مصیبتوں، خوشیوں میں شریک ہونا، اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں؛ مگر اسلامی اصولوں سے روگردانی اور ایمانی تقاضوں سے پہلو تہی گوارا نہیں، من حیث المسلمین تمام مسلمانوں کا متحد ہونا واجب ہے اور جو مومن صادق ہوگا وہ بہترین انسان ضرور ہوگا، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اس کے بلاتفریق مذہب وعقیدہ اچھے تعلقات ہوں گے۔

ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان ونظریہ اور عقیدہ ومسلک پر مضبوطی سے کاربند رہ کر دوسری قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات رکھیں کہ ہمارے اخلاق کی چھاپ ان پر پڑے اور اپنی بربادی اور خرابی کا الزام کسی پر دھرنے سے پہلے اپنے آپ کا جائزہ لیں، اپنے کردار پر نظر ڈالیں کہ ہمارا عمل ہمارے نظریہ وعقیدہ سے متصادم تو نہیں ہے۔ ☆☆☆

مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمیؒ

وفات: ۶؍اپریل ۲۰۱۷ء، ۸؍رجب ۱۴۳۸ھ جمعرات

ضیاءالحق خیرآبادی

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون کب اور کہاں موت کی آغوش میں پہونچ جائے گا، مَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اِرْضٍ تَمُوْتُ، کی تفسیر ہم آئے دن عملی شکل میں دیکھتے ہیں۔ ابھی چند ماہ قبل جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمی کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آیا جس نے ان کے ہزاروں متعلقین ومتعارفین کو رنج وغم کی ناقابل بیان کیفیت سے دوچار کردیا، ایسا متحرک وفعال انسان اس طرح چلتے پھرتے آناً فاناً ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گا، کسی نے سوچا بھی نہ تھا، اس لئے کئی دنوں تک یقین نہیں آرہا تھا کہ ایسا ہوچکا ہے، لیکن جو چیز ایک حقیقت بن چکی ہو اسے خواب کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔

۶؍اپریل جمعرات کو میں دہلی میں تھا، مولانا مرحوم کے صاحبزادے عزیزم مولوی حافظ محمد سلّمہٗ کا فون آیا کہ ابا کا انتقال ہوگیا، جو کچھ تفصیل انھوں نے بتائی اس سے معلوم ہوا کہ مولانا جونپور کے ''ڈھنڈوارہ'' نامی گاؤں سے واپس اعظم گڈھ آرہے تھے، کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا چند لمحوں کے بعد کیا ہونے والا ہے، ''امباری'' کے پاس اچانک طبیعت خراب ہوئی، ٹیمپو پر بیٹھے بیٹھے آگے کو جھک گئے اور لڑھک کر زمین پر آگئے، لوگوں نے اٹھایا تو روح قفس عنصری سے نکل کر رب العالمین کے حضور پہونچ چکی تھی، چند گھنٹوں میں یہ خبر پورے ملک میں پھیل چکی تھی کہ جمعیۃ علماء کے ایک مخلص وفعال کارکن، سراپا حرکت وعمل، عوام الناس کی خدمت کے لئے ہمہ دم سرگرم ورواں دواں رہنے مولانا نوشاد صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون**

مولانا نوشاد صاحب اعظمی کون تھے اور کیا تھے؟ عام مسلمان تو شاید یہ جان سکیں، لیکن ان کی خدمات اور اہمیت وحیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کے نظریہ اور فکر سے متفق اور خانوادۂ شیخ الاسلامؒ الفت

وقربت رکھنے والے لاکھوں افراد خوب جانتے ہیں۔ مشرقی یو پی کے اضلاع اعظم گڈھ، مئو، جون پور، غازی پور، بنارس، بستی وغیرہ کے تقریباً ہر گاؤں اور قصبہ ہی میں نہیں چھوٹے چھوٹے دیہات کے مسلمان، ہندو سب مولانا مرحوم کو جمعیۃ علماء ہند کے بے لوث خادم اور بے باک کارکن کی حیثیت سے جانتے تھے۔ خدمت خلق مولانا مرحوم کا خاص وصف تھا، دہلی میں جہاں ان کا قیام رہتا تھا، جب بھی کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو مولانا ہر طرح کی مدد کے لئے تیار اور حاضر رہتے تھے، اس کے لئے ان یہاں رات دن کی کوئی قید نہیں تھی، جس وقت بھی کہیں جانا ہوتا بغیر عذر کے حاضر رہتے۔

۱۹۹۹ء تک ہمارے اطراف کے حجاج کی فلائٹیں دہلی سے ہوا کرتی تھیں، مولانا نوشاد صاحب کی وجہ سے ہر حاجی کا قیام دفتر جمعیۃ میں ہوتا تھا، حجاج اپنے تمام کاغذات مولانا مرحوم کو سونپ مطمئن ہو جاتے تھے، مولانا تمام کارروائی کروا کے کاغذات ان کے حوالے کر دیتے تھے، ان کا یہ معاملہ سب کے ساتھ، جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ یہ سب منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا ہے۔ ایک ایک وقت میں کئی کئی لوگ اپنے مسائل بیان کر رہے ہیں، مولانا سب کی سن رہے ہیں، سب کو دلاسا دے رہے ہیں، کبھی کبھی جھنجھلا کر ڈانٹ بھی رہے ہیں، لیکن کام سب کا کر رہے ہیں، کسی کو ہسپتال لے جا رہے ہیں، کسی کا ریزرویشن کرانے، کسی کو ٹرین میں سوار کرنے ریلوے اسٹیشن جا رہے ہیں، کسی کو ٹیمپو میں لے کر کسی آفس میں جا رہے ہیں، کسی کو جامع مسجد لے جا کر سامان کی خریداری کروا رہے ہیں، ان کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع اور متنوع تھا کہ سوچ سوچ کر حیرت ہوتی ہے۔ خود مجھے ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے بعد کمرے میں سیٹ کا مسئلہ پیش آیا، تو فوراً ذہن مولانا مرحوم کی طرف گیا، ان کیلئے دہلی اور دیوبند گھر آنگن والا مسئلہ تھا، دیوبند آئے تو میں اپنی مشکل ان کے سامنے رکھی، اس وقت ناظم دارالاقامہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب تھے، مولانا مجھے لے کر فوراً حضرت قاری صاحب کے پاس لے گئے، اور نہایت بے تکلفی میاں بھائی میاں بھائی کہہ کر مسئلہ پیش کیا، حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ اس کمرے کے لئے ۴۳ اوسط کا ہونا ضروری ہے، تو مولانا نے کہا کہ دیکھ لیجئے، خیر مطلوبہ اوسط تھا، اسی وقت حضرت قاری صاحب نے وہ سیٹ میرے نام کر دی، اس طرح کے بہت سارے مسائل ان کی ایک نگاہ توجہ سے حل ہو جاتے تھے۔

دفتر جمعیۃ مسجد عبدالنبی کے بائیں جانب دوسری منزل پر دس بائی دس کا ایک کمرہ ان کی قیام گاہ تھا، ان کی قیام گاہ کیا؟ سچ کہئے تو ان کے مہمانوں کی مستقل قیام گاہ جس کے وہ غیر رہائشی مقیم تھے،

پروانچل کے سبھی اضلاع کے مہمان روزانہ بھرے رہتے تھے، ایک جارہا ہے تو دوسرے کئی چلے آرہے ہیں، پورے سال یہی معاملہ رہتا تھا، مسجد عبد النبی میں آنے والے مہمانوں کی ایک بڑی تعداد مولانا نوشاد صاحب کو ہی تلاش کرتی تھی۔ کہنے کو تو وہ ایک آرگنائزر تھے، لیکن فدائے ملت سے لے کر قائد ملت تک ہر جگہ مولانا مرحوم کی پہونچ تھی، سب مولانا مرحوم پر بے حد اعتماد کرتے تھے، چنانچہ انتقال کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی بھی اور ان کے برادر خورد مولانا سید اسجد مدنی دونوں حضرات تعزیت کے لئے مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔

مولانا مرحوم جمعیۃ علماء کے لئے ملک کے طول وعرض کا سفر مسلسل کرتے رہتے تھے، کب کہاں ہوں گے کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا، آج بستی میں ہیں تو دوسرے دن گورکھپور میں نظر آرہے ہیں، صبح کو کسی نے مئو میں دیکھا تو شام کو اعظم گڈھ میں نظر آرہے ہیں، صبح ہوتے ہی بنارس کے لئے بس میں سوار ہورہے ہیں، اور رات بارہ بجے خیرآباد میں موجود! دوپہر میں کوپا گنج تو رات میں مبارکپور، یہی ان کی زندگی تھی، جمعیۃ کے لئے جینا اور اسی کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے چلے جانا، اپنے آخری سفر میں ''ڈھنڈوارہ'' بھی فراہمی مالیات ہی کے لئے گئے تھے اور چندے کی رقم لے کر واپس آرہے تھے کہ اثنائے راہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ میری ان سے آخری ملاقات کٹولی میں عید کے موقع پر ہوئی تھی، جہاں میں اپنے عزیز دوست مولانا مفتی فیض احمد صاحب سے ملنے گیا تھا، مولانا چندہ ہی کے سلسلے میں وہاں پہونچے ہوئے تھے، مفتی فیض صاحب کے بھائی مولانا ڈاکٹر ارشد صاحب جمعیۃ کے ایک فعال رکن ہیں، ان کے پاس جمعیۃ کی کچھ رقم تھی، اسی سلسلے میں مولانا پہونچے تھے، مجھ سے کہنے لگے یہ قلم اور رسید لو اور ساری رسیدیں بنادو، تیس چالیس کے قریب رسید بنائی، خوش ہوئے، دعا دی، اس کے بعد پھر ملاقات نہ ہوسکی۔

مولانا مرحوم ایک بے خوف، نڈر اور دھن کے پکے انسان تھے، ان کی زندگی عجب ہنگامہ خیز تھی، کہیں سکون اور چین سے نہیں رہتے تھے، جمعیۃ علماء سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، حالات چاہے کتنے ہی مخالف ہوں وہ جمعیۃ کی ترجمانی سے نہیں چوکتے تھے، کسی سے مرعوب ہونا اور دبنا تو جانتے ہی نہ تھے، ایک مرتبہ آئے تو کہنے لگے کہ بنارس ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ لے رہا تھا، میرے پیچھے ایک ہندو تھا، اس نے مجھے ''میاں چیاں'' کہہ دیا، مجھے بہت غصہ آیا، تو تو میں میں سے بات آگے بڑھ کر حرب وضرب تک بات جا پہونچی، یہ پہلوان تو تھے ہی اسے اٹھا کر پٹخ دیا، لوگوں نے کسی طرح بیچ

بچاؤ کرایا، وہ شخص کہنے لگا کہ بوڑھ سمجھ کے چھوڑھ دہلیں (بوڑھا سمجھ کے چھوڑ دیا ہے) کہنے لگے کہ یہ سن کر مجھے آگ لگ گئی، اور میں دوبارہ پٹخ کے سینے پر چڑھ گیا۔ پھر لوگوں نے کسی طرح الگ کیا، یہ ان کا مزاج تھا۔ اگر کوئی جمعیۃ یا اکابر جمعیۃ کے خلاف کچھ کہہ دے تو ایک دم سے مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتے تھے، جمعیۃ کے لئے انھوں نے اپنی زندگی کو تج دیا، گھر کے مسائل کو درکنار کردیا، گھر پر رہنے کا اتفاق بھی کم ہی ہوتا تھا، یا تو سفر میں ہوتے تھے یا دہلی دفتر میں، وہاں بھی لوگوں کی خدمت اور مدد کا سلسلہ ہر آن جاری وساری رہتا تھا۔

دھن اور لگن کا حال یہ تھا کہ ایک بار بتانے لگے کہ جب احیاء العلوم میں پڑھ رہا تھا تو کشتی کا بہت شوق تھا، اس وقت اس اطراف میں کشتی کے مقابلے (دنگل) ہوا کرتے تھے، جس میں شرکت لازمی ہوتی تھی، ایک بار ناظم جامعہ مولانا عبدالباری صاحب نے پابندی لگادی کہ کوئی بھی دنگل میں شریک نہیں ہوسکتا، کہنے لگے کہ یہ سن کر بہت پریشان ہوا، ناظم صاحب کے یہاں حاضر ہوا، انھوں نے سختی سے منع کیا، پھر کہنے لگے کہ ایک شرط پر جانے کی اجازت مل سکتی ہے، میں کہا کہ کیا؟ فرمایا کہ مدرسہ کے سارے بیت الخلاء صاف کردو اور چلے جاؤ، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ یہ ایسا کر پائے گا، لیکن مولانا نوشاد صاحب جس مٹی کے بنے تھے اس میں کوئی چیز ناممکن نہیں تھی، فوراً جا کر کپڑا بدلا اور سارے بیت الخلاء کو صاف کر کے ناظم صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ چل کر دیکھ لیجئے میں نے سب صاف کردیا ہے، ناظم صاحب حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ اب تو اجازت دینی ہی ہوگی۔

مولانا کی شخصیت کیسی ہنگامہ خیز تھی، اس کے لئے میں ان کے سفر حج کے رفیق مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی (کٹولی) کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

> فراغت کے بعد امارات کا سفر ہوا، پہلے ہی فرصت میں حج کی تیاری شروع ہوگئی، امارات ہی سے چند لوگوں کے ساتھ حج کا پروگرام بن گیا مگر اسی دوران اچانک انڈیا جانا پڑ گیا، گھر پر مفتی فیض (ڈاکٹر ارشد کے بھائی) صاحب سے حج کے پروگرام سے متعلق تذکرہ ہوا، انہوں نے کہا اگر انڈیا سے پروگرام بنائیں تو میں بھی چلوں؟ والد صاحب سے مشورے کے بعد پروگرام بن گیا، اس پروگرام کی خبر اسی مذکورہ بالا شخصیت کو بھی ہوگئی، وہ بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہوگئی۔
>
> میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر　　راہ رو آتے گئے اور قافلہ بنتا گیا
>
> بس وہ بھائی بہن، میں میاں بیوی، مفتی فیض صاحب اپنی بیوی اور نانی کے ساتھ۔ یہ قافلہ بنارس ٹرین سے ہنگامہ خیز شکل میں شروع ہوتا ہے، اس ہنگامہ خیز شخصیت کا ہنگامہ پورے سفر

جاری رہا، ٹرین میں ہنگامہ، جہاز میں ہنگامہ، مکہ میں ہنگامہ، مدینہ میں ہنگامہ قدم قدم پر ہنگامہ، مدینہ میں ایک غیر مقلد کے ساتھ اس قدر ہنگامہ ہوا کہ جیل میں جاتے جاتے بچے۔ اس شخصیت کے ساتھ یہ سفر بڑا ہی پُر لطف اور ہنگامہ خیز رہا، وہ شخصیت تھی مولانا نوشاد صاحب مرحوم کی۔ افسوس کہ یہ شخصیت اب ہمارے درمیان نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جمعیۃ علماء سے تعلق کا حال یہ تھا کہ کہیں بھی پروگرام ہو کہیں بھی اجلاس ہو یہ حاضر، ایک بیگ ہاتھ میں ہوتا تھا، اس میں کھادی کے چند جوڑے کپڑے، کچھ دوائیں، رسید و کاغذات، کسی طرح کی نمائش اور ٹیم ٹام نہیں، صاف ستھرا کپڑا زیب تن ہوتا، اور ایک رومال، یہی کل سرمایۂ سفر تھا، جو ملا کھالیا، جہاں جگہ ملی سو گئے۔ عموماً مدارس میں قیام کرتے تھے، لیکن حال یہ ہوتا تھا، آئے، سامان رکھا اور فوراً نکل گئے، کسی سے ملنا ہے، کسی کی عیادت کرنی ہے، کسی کے یہاں تعزیت میں جانا ہے، عجب رنگ ڈھنگ تھا، انتقال سے کچھ بھیونڈی اپنے صاحبزادے مولوی محمد سلّمہٗ کے پاس تقریباً مہینہ بھر رہ گئے، وہ کہنے لگے کہ ۳؍مارچ کو بمبئی میں مولانا ارشد مدنی صاحب کا پروگرام تھا، ابا نے رات میں کہا کہ میں ایرپورٹ جاؤں گا مولانا کو لینے، اس وقت گیارہ بج رہے تھے، میں نے کہا کہ ابا اس وقت کیا جایئے گا اب صبح چلیں گے، اس وقت تو مان گئے، میں نے سونے چلا گیا، صبح فجر وقت دیکھ رہا ہوں تو ابا کمرے میں نہیں ہیں، میں نے فون لگایا تو کہنے لگے کہ میں تھانے کے قریب پہونچ رہا ہوں، دو بجے اٹھے اور ٹیمپو سے نکل گئے، بمبئی پہونچ کر دفتر جمعیۃ گئے اور وہاں سے ایرپورٹ، یہ ان کی طبیعت تھی۔

مولوی محمد سلّمہٗ کہتے ہیں کہ جب ابا جانے لگے تو میں نے ان کے لئے ان کی ضروریات کے بہت سارے سامان جوتا چپل اور کپڑے وغیرہ ساتھ کردیئے تو کہنے لگے تم تو اس طرح رخصت کررہے ہو جیسے ہمیشہ کے لئے رخصتی ہو، انھیں کیا پتہ معلوم تھا واقعی یہ آخری رخصتی ہی ہے۔

جب تک مولانا زندہ تھے، اس جانب ذہن ہی نہیں جاتا تھا کہ وہ کب پیدا ہوئے، کہاں تعلیم حاصل کی اور کہاں سے فراغت حاصل کی، کہاں تدریسی خدمات انجام دیں؟ اب جب وہ دنیا میں نہیں رہے تو اس کی جستجو ہوئی۔ مختصر سوانحی حالات یہ ہیں:

مولانا کا سن ولادت ۱۹۴۰ء ہے، بالکل ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، وہ کہتے تھے کہ مولانا عبدالحی چشتی علیہ الرحمہ میرے استاد تھے، اس کے بعد پرائمری سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مشرقی یوپی کی ممتاز و بافیض درسگاہ جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں حاصل کی (بروایت مفتی محمد یاسر صاحب)۔

وہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں ۱۹۶۴ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، وہ کہتے تھے میں نے دیوبند میں شرح وقایہ مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ سے پڑھی ہے، اس وقت تک مولانا اسعد صاحب دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ گنگولی ضلع غازی پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں سے ۱۹۷۷ء میں دہلی دفتر جمعیۃ میں آگئے تو پھر یہیں رہ گئے۔ جمعیۃ ہی کے ایک کام سے جون پور گئے تھے، اور وہیں سے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

پس ماندگان میں اہلیہ، دو بچے اور تین بچیاں ہیں۔ بڑے بیٹے عزیزم مولوی حافظ محمد سلّمہٗ ہیں، انھوں نے شیخوپور میں حفظ کیا اور عالیت کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اس وقت بھیونڈی میں اپنا کاروبار دیکھتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے عزیزی احمد سلّمہٗ ہیں، انھوں نے شبلی کالج سے بی اے کیا، اور اپنے بھائی کے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ بڑی بچی کا نکاح اپنے بڑے بھائی کے بیٹے ابوسعد صاحب سے کیا، ان کا بڑا بیٹا اسامہ سلّمہٗ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہے، دوسری بیٹی جو ماشاءاللہ حافظ قرآن ہے، اس کا نکاح اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے عزیزم حافظ انیس احمد سلّمہٗ سے کیا، حافظ انیس سلّمہٗ نے شیخوپور سے حفظ کیا، اور اس وقت دبئی میں برسر روزگار ہیں، مولانا مرحوم کی یہ بچی ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ اسے نیک وصالح اولاد عطا فرمائیں، آمین۔ چھوٹی بیٹی کا نکاح نصیر پور میں کیا، مولانا مرحوم اس لحاظ سے خوش قسمت تھے، کہ ساری اولادوں کا گھر بسا کر دنیا سے گئے۔ یہ سب اولادیں مولانا مرحوم کی دوسری بیوی سے ہیں، پہلی بیوی سے کچھ عرصہ کے بعد طلاق کی نوبت آگئی تھی، اس سے ایک لڑکی ہے، جس کی شادی محمد آباد گوہنہ کے قریب ایک گاؤں نتھوپور میں ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، مغفرت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور،، المرء مع من احب،، کے تحت ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزی حماد ضیاءؒ

(وفات: ۱۷رذوالحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۹رستمبر ۲۰۱۷ء)

ضیاء الحق خیرآبادی

سنیچر کو مغرب وعشا کے درمیان میرے سب سے بڑے بیٹے حماد ضیاء کا ایک طویل علالت ومعذوری کے بعد انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عزیز مرحوم میری پہلی اولاد تھا، جو شادی کے تقریباً پونے تین سال کے بعد (۲۲رذوقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴رجنوری ۲۰۰۲ء) کو پیدا ہوا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد پیدا ہونے والی اولاد کے ساتھ والدین کو جو لگاؤ ہوتا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کی نشو ونما عام بچوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، ابتداء میں تو ڈاکٹروں کو اس کا ادراک نہیں ہوا، لیکن جب اس کی عمر دو سال ہوگئی اور اس نے چلنا بولنا شروع نہیں کیا تب تشویش ہوئی، اور اس وقت سے جو علاج ومعالجہ کا سلسلہ شروع ہوا تو زندگی کی آخری سانس کے ساتھ ہی ختم ہوا۔

ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق اس کے دماغ کی کوئی رگ بالکل مردہ تھی، اس لئے بولنے اور نقل وحرکت سے معذوری تھی، کافی علاج کے بعد ۶رسال کی عمر میں اس نے چلنا شروع کیا، لیکن بولنا اور اپنی کسی ضرورت کو بیان کرنا، اس سے تمام عمر معذوری رہی۔ اس لئے پوری زندگی اس کی ہر ہر ضرورت کا خیال رکھنا پڑتا تھا، اس سلسلے میں اس کی ماں نے بے مثال قربانی دی اور بے نظیر خدمت کی، باری تعالیٰ اسے اس پر اپنے شایان شان اجر دیں اور عزیز مرحوم کو اس کے لئے اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں، اور اس کی خدمت کے سلسلے میں جو کمی کوتاہی ہم لوگوں سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ہوئی اسے محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائیں۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ

اس کی عمومی حالت یہ تھی کہ جب بھوک لگتی تو کچن میں پہونچ جاتا اور جس پیالی میں اسے کھانا کھلایا جاتا تھا اسے لے کر بیٹھ جاتا اور دیر ہوتی تو روتا، اس کی خوراک پوری زندگی دودھ روٹی یا دال کا پانی اور روٹی تھی، روٹی بالکل چورا کر کے گرم دودھ یا دال کے پانی میں ڈال دی جاتی تھی جب

وہ نرم ہو جاتی تو چمچ سے کھلایا جاتا تھا، پوری زندگی تینوں وقت یہ عمل کرنا ہوتا تھا، کھانے کے بعد کمرے میں یا چھت پر چلا جاتا اور ٹہلتا رہتا جب تک بھوک لگتی تو کچن میں آجاتا، بڑی دقت یہ تھی کہ حوائج ضروریہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا پاتا تھا اس لئے کہیں بھی پیشاب پاخانہ کر دیتا جس سے کافی پریشانی ہوتی تھی، دماغی پریشانی کی وجہ سے سونے جاگنے کا بھی کوئی خاص معمول نہیں تھا، کبھی کبھی گرمیوں کی رات میں جب سب سو رہے ہوتے تھے اٹھ کر چھت پر چلا جاتا، ہم لوگوں کی آنکھ کھلتی تو فوراً جاکر لے آتے، سمجھ اور شعور کا حال یہ تھا کہ ایک روز چھت پر گیا تو ایک بندر آگیا، سب لڑکے بھاگ گئے اور یہ جاکر آرام سے بندر کے پاس بیٹھ گیا، بندر بھی حیران ہو کر دیر تک اسے دیکھتا رہا لیکن اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، جب گھر کے بڑے لوگوں کو معلوم ہوا تو اسے لے کر آئے۔

چھ سال کی عمر میں اس نے چلنا تو شروع کر دیا تھا لیکن ٹھیک سے چل نہیں پاتا تھا، اس لئے اکثر گرتا رہتا تھا، کبھی زینہ سے گر جاتا، کبھی کھڑے ہوتے ہوئے توازن برقرار نہ رکھ پاتا، کبھی چلتے ہوئے پھسل جاتا، لیکن اللہ کی خصوصی حفاظت اس کے ساتھ رہتی تھی، اس لئے کبھی کوئی غیر معمولی نقصان نہیں ہوا۔ مارچ ۲۰۱۴ء میں اس پر فالج کا اٹیک ہوا، جس سے وہ کئی ماہ تک بالکل صاحب فراش رہا، علاج کے سلسلے میں جو کچھ مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے اس سے دریغ نہیں کیا، تقریباً پندرہ دن ہم لوگ اس کو لے کر اعظم گڈھ اور خیرآباد ہاسپٹل میں ایڈمیٹ رہے۔ اللہ کا فضل ہوا کہ وہ پھر چلنے لگا لیکن اب پہلے جیسی چال نہیں تھی، پھر بھی دیوار کے سہارے سے یا کسی کا ہاتھ پکڑ چلتا تھا، گزشتہ سال رمضان کے بعد نہ جانے کیا معاملہ پیش آیا، شاید کہیں پھسل گیا ہو یا اور کوئی صورت پیش آئی ہو، دن بھر روتا رہا، کچھ بولتا تو تھا نہیں اس لئے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا تکلیف ہے اس کو، دن بھر یہی کیفیت رہی، رات میں اس کی ماں نے اس کا پیر سہلانا شروع کیا تو بے تحاشہ چلانے لگا اس سے اندازہ ہوا کہ پیر میں چوٹ لگی ہے، دو دو بار ا کسرے کرایا لیکن جو ڈاکٹر مریض کے بجائے رپورٹ کا علاج کرتے ہیں ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ مریض کو کیا ہوا ہے، اس لئے کہ رپورٹ نارمل تھی، میں کہتا رہ گیا کہ ڈاکٹر صاحب توجہ کیجئے رپورٹ چاہے جتنی نارمل ہو لیکن مریض تو بالکل نارمل نہیں ہے، علاج رپورٹ کا نہیں مریض کا کیجئے، مختلف دوائیں بدل بدل کر دی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہیں ہوا، اس لئے کہ تشخیص ہی غلط تھی۔ اسی کیفیت میں کئی ماہ گزر گئے اور کھانا پینا چلنا پھرنا سب ختم ہو گیا، بیچارہ بالکل صاحب فراش ہو کر رہ گیا، خوراک بھی برائے نام رہ گئی، بعد میں ایک ہڈی بیٹھانے والے ماہر شخص کو دکھایا تو اس نے

ہاتھ رکھتے ہی بتادیا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے، اس نے بیٹھا دیا تو درد وتکلیف میں بھی کمی ہوگئی، لیکن اتنے عرصہ تک پڑے رہنے سے مفلوج حصہ بالکل شل ہوگیا۔ ادھر چند ماہ سے غذا کم ہوتے ہوتے بالکل برائے نام رہ گئی، اوراخیر کے دس پندرہ دنوں میں تو صرف سیال غذا ہی پیٹ میں جاتی تھی۔ انتقال والے دن طبیعت اور دنوں کے مقابلے میں نسبتاً بہتر تھی، یہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری لو تھی ؎

بجھنے سے پہلے شمع بھڑکتی ضرور ہے

سنیچر کو مغرب اور عشاء کے درمیان اس کا انتقال ہوا، عصر کی نماز کے لئے گھر نکلا تو وہ بالکل ٹھیک تھا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، مغرب پڑھ کر آیا تو تب بھی سب معمول کے مطابق تھا، اہلیہ نے بتایا کہ کھانا اور دوا کھلا چکی ہوں، اس کا بستر بدلوا دیجئے، چنانچہ بستر بدل دیا گیا، اوراس کو صاف ستھرا کرکے لٹا دیا گیا، اس کے کچھ ہی دیر کے بعد کیفیت بدلنی شروع ہوئی، پانچ چھ باراس نے جمائی کی طرح منہ کھولا، شاید یہی مرض الوفات کی ابتداء تھی، ،اخیر زندگی میں اس نے بہت تکلیف اٹھائی تھی، مختلف طرح کے امراض وعوارض میں گھرا رہا، اسی کا صلہ تھا کہ انتہائی سہولت کے ساتھ چند منٹ کے اندر ہی روح پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون **اللھم ادخلہ فسیح جناتہ واجعلہ لوالدیہ فرطاً وأجراً وذخراً وشافعاً ومشفعاً**

حماد کی جیسی حالت چل رہی تھی یہ واقعہ کوئی غیر متوقع نہیں تھا، لیکن اس کی وفات نے پورے وجود کو ہلا دیا، دل ودماغ بہت متاثر ہیں، خصوصاً اہلیہ پر تو بہت زیادہ اثر ہے، گھر کی مصروفیات کا آدھا حصہ عزیز مرحوم پر صرف ہوتا تھا، اب اس کے نہ رہنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسا کوئی کام ہی نہ ہو، پورا گھر خالی ہوگیا ہو، ہر طرف سناٹا سا محسوس ہوتا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا سوال یہی ہوتا تھا کہ حماد کا کیا حال ہے، اب بھی جب گھر میں داخل ہوتے ہیں پہلے اسی کی جگہ پر نظر پڑتی ہے، اوراسے نہ پاکر دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ اس کے انتقال کے بعد جنازہ میں لوگوں کی کثرت (جبکہ میں نے کسی کو اطلاع دینے کا اہتمام نہیں کیا تھا، اور جنازہ بھی صبح ساڑھے آٹھ بجے تھا) اوراحباب ومتعلقین کا موبائل پر اتنی کثرت سے اس کے لئے دعائے خیر کرنا اوراسی کے طفیل کر ہم لوگوں کے لئے دعا کرنا، یہ سب دیکھ کر مرحوم پر بہت رشک آتا ہے۔ اوراللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اسی معصوم کی بدولت ہم لوگوں کا بیڑا بھی پار ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

انتقال کے بعد تسلی وتعزیت کے بکثرت فون آئے اورلوگ بھی حاضر ہوئے، میں ان سب کا

شکر گزار ہوں جو اس سخت گھڑی میں کسی طرح بھی میرے لئے سہارا بنے۔ سب سے پہلے استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب نے یہ خبر لکھ کر واٹس اپ کے مختلف گروپ میں ڈال دی جس سے تقریباً سبھی متعلقین کو اطلاع ہوگئی۔

ابھی ابھی مولانا ضیاالحق صاحب خیرآبادی (حاجی بابو) کے لخت جگر عزیزم حماد ضیا کا طویل معذروی وعلالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم حماد ضیا، حاجی بابو کی پہلی اولاد تھے جو شروع سے دماغی وجسمانی اعتبار سے معذور اور سترہ سال (یعنی ابتدائے عمر) سے صاحب فراش تھے، مستقل علاج ومعالجہ سے بھی کوئی افاقہ اور صحت میں سدھار نہ ہوسکا، ماں باپ نے اپنے معذور لخت جگر کی تیماری داری صبر واستقامت سے پوری دلداری اور دلسوزی کے ساتھ کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ اللہ رب العزت حماد مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ماں باپ کی بے مثال ومسلسل خدمت وتیمارداری کا اجر وثواب دنیا وآخرت دونوں جگہ دے اور حماد مرحوم کو والدین واقارب اور چھوٹے بھائیوں کے حق مین ذخیرہ آخرت بنائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ ہم اس غم کی گھڑی میں مولانا ضیاالحق (حاجی بابو) کے ساتھ ہیں، ان کے لئے دست بدعا ہیں۔ ضیاالدین قاسمی ندوی خیرآبادی

☆☆☆☆☆

میرے عزیز دوست مولانا مفتی روح اللہ صاحب قاسمی (مدھوبنی) نے اس موقع ایک موثر تعزیتی مکتوب لکھا، جسے اس مضمون کا اختتامیہ بنا رہا ہوں، اللہ ان کو اور ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے زبانی یا تحریری کسی طرح بھی تعزیت وتسلی کے کلمات پیش کئے۔

محترم مولانا ضیاالحق (حاجی بابو) صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی "مدرسہ فلاح المسلمین " گروپ سے عزیز القدر جناب مولانا عامر اعظمی کے ذریعہ اطلاع ملی کہ آنجناب کے لخت جگر عزیزم حماد ضیا کا طویل معذروی وعلالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شی عندہ باجل مسمی ۔اللھم ادخلہ فسیح جناتہ واجعلہ لوالدیہ فرطا واجرا وذخرا وشافعا ومشفعا ۔مرحوم حماد ضیا آپ کا پہلا نرینہ پھول تھا۔ آپ کے دو ہیرے موتی کو خیرآباد اسٹیشن پر دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں اور اسی وقت آپ نے بتایا تھا کہ سب سے بڑا لخت جگر پیدائشی طور پر دماغی وجسمانی اعتبار سے معذور اور صاحب فراش ہے اور مستقل علاج ومعالجہ اور اس کی خدمت، کھلانے پلانے کی ذمہ داری آپ اور بچہ کی والدہ بخوشی انجام دے رہے ہیں اور اس کی

وجہ سے کہیں باہر جانا آنا مشکل اور پریشان کن ہو جاتا ہے، بلکہ یہ بھی بتایا تھا اس بچہ کی وجہ آپ نے مستقل طور سے گھر رہنے کا ارادہ فرمالیا ہے۔ یہ سن کر اور دیکھ کر دل سے دعائیں نکلی تھی اور رشک آیا تھا کہ کسی کو ماں باپ ملے تو آپ جیسا ملے جو اپنے بچے کی خدمت کی خاطر مستقبل کا پلان طے کرتے ہیں۔

بچہ اپنی عمر کے سترہویں سال میں داخل ہو چکا تھا، کم مدت نہیں ہوتی ہے یہ، کوئی پلک جھپکتے سترہ سال نہیں گذر جاتے، جب یہ بچہ دنیا میں آیا ہوگا تو ماں باپ کی محبتوں اور عنایتوں کا مرکز بنا ہوگا مگر جب اس کی معذوری کا علم ہوا ہوگا تو فطری طور دل پر چوٹ سی لگی ہوگی، آپ نے خدا کے فیصلہ پر راضی برضا رہنے کا فیصلہ کیا ہوگا، پھر اس جنتی کی خدمت کے لئے دن ورات کو قربان کیا ہوگا۔ گویا رب ذوالجلال کی طرف سے آپ دونوں کے زلات کو دھونے اور درجات کی ترقی کی مفت مشین ہاتھ آ گئی تھی کہ خدمت میں لگے رہئے اور آگے بڑھتے رہئے، دنیا میں بیٹھ کر کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ دونوں کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں، پھر اس فیصلہ خداوندی میں بھی آپ کے لیے رحمت کے کیا کیا سامان ہیں، کون بتا سکتا ہے، رب کی حکمت رب ہی جانے۔ یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ رب نے آپ کے سامنے یہ امانت واپس لے کر اسے آپ کے لیے اجر و ذخر اور شافع ومشفع کا مکمل مصداق بنا دیا ہے، اور اس بچہ کی مستقبل کی فکر سے آپ کو بے نیاز کر دیا ورنہ رہ رہ کر خیال آتا کہ میرے بعد اس کی خدمت کون کرے گا، یہ امانت واپس لے کر قدرت آپ کو آواز دے رہی ہے: "قد صدقت الرویا ." آپ رب کے امتحان میں کامیاب اترے، اب "نجزی المحسنین " کی باری ہے۔ یقیناً آپ ماں باپ نے اتنی لمبی مدت تک اپنے معذور لخت جگر کی تیمار داری صبر واستقامت سے پوری دلداری اور دلسوزی کے ساتھ کر کے ایک مثال قائم کی ھے۔ عزیزم حماد سلمہ، اللہ کی امانت تھا جسے اللہ رب العزت نے پاک وصاف واپس لے لیا، یہ موقعہ آپ کے لئے رونے کا نہیں، (گو کہ انسانی فطرت کی وجہ سے رنج وغم کا ہونا ایک لازمی امر ہے) خوش ہونے کا ہے کہ آپ کی ایک امانت دنیا کی معذوریوں سے آزاد ہو کر جنت میں کھیلنے کودنے اور اپنے والدین کے لیے سفارش کرنے پہنچ چکی ہے، اللہ رب العزت حماد مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ماں باپ کی بے مثال ومسلسل خدمت وتیمارداری کا اجر وثواب دنیا وآخرت دونوں جگہ دے اور حماد مرحوم کو والدین واقارب اور چھوٹے بھائیوں کے حق میں ذخیرہ آخرت بنائے، اور ان برکات وخیرات کا سلسلہ باقی رہے جو اس معصوم کی خدمت اور اس کے وجود کی بدولت تھا، بلکہ باری تعالی محض اپنے فضل وکرم سے میں اس اضافہ فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔ والسلام

شریک غم محمد روح اللہ